جلد 1 شمارہ 8 اکتوبر 1999ء جمادی الثانی 1420ھ

ماہنامہ

عالمگیر محبت
احترام آدمیت
اور اصلاح و
فلاح انسانیت
کا علمبردار

آدمیت

گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید' اتباع رسول ﷺ' کثرت ذکر' مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق پیدا کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت' حسد و بغض' تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ' تسلیم و رضا' عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت' مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا' تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات' اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر پیدا کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا' اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت' اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ
گوجرانوالہ

فلاح آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

نگران وسرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 1 شمارہ 8 اکتوبر 1999ء جمادی الثانی 1420ھ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی

شعبہ سرکولیشن وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضیٰ توحیدی ، ایم محمد اکرم ، پروفیسر منیر احمد لودھی ، ایم محمد طالب
ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق ، سید عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ بخاری
مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ——— -/15 روپے سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ فلاح آدمیت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 1 شمارہ 8 اکتوبر 1999ء جمادی الثانی 1420ھ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی

شعبہ سرکولیشن وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضیٰ توحیدی ، ایم محمد اکرم ، پروفیسر منیر احمد لودھی ، ایم محمد طالب

ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق ، سید عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ بخاری

مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ---------- 15/- روپے　　　سالانہ فنڈ ---------- 150/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519

E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

دوستو! اس وقت جو انسان کو عالمگیر المیہ درپیش ہے وہ خود انسان کی اپنی ذات کی حقیقت سے لاعلمی اور روپوشی ہے۔ وہ یہ کہ انسان نے پرندوں کی طرح اڑنا اور مچھلیوں کی طرح تیرنا تو سیکھ لیا ہے مگر ابھی تک انسانوں کی طرح جینا نہیں سیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ لاتعداد نئی ایجادات اور بے انتہا سہل اور پر تعیش زندگی کے باوجود انسان بے چینی اور بے سکونی میں گھرا ہوا ہے۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے وہ یہ کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی تعلیم یعنی توحید اور آخرت پہ یقین محکم پیدا نہیں کیا۔ توحید و آخرت کا عقیدہ ہی انسانوں کو انکی حقیقت سے روشناس کرواتا ہے۔ یہ عقیدہ ہی ایسا نسخہ کیمیا ہے جو بے چین روح کو قرار عطا کرتا ہے۔ بڑے بڑے فلسفی اور دانشور توحید و آخرت کے انسانی زندگی پہ مثبت اثرات کا کماحقہ اندازا لگانے سے قاصر رہے ہیں۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں بھی توحید و آخرت کا عقیدہ بے حد کمزور ہوتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں باہمی محبت و مودت' خدمت خلق اور احترام آدمیت جیسے پاکیزہ جذبات مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب آنحضور ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے عقیدہ توحید اور عقیدہ آخرت پہ پختہ یقین پیدا کریں۔ اس وقت اس کا مجرب نسخہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے اور لازما" کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کی جائے۔ اس طرح ہم اپنی حقیقت و خودی سے آشنا ہونگے اور ہر وقت اللہ کے سامنے حاضری کا احساس اور اللہ کی رضا کا حصول بھی پیش نظر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنا ذکر کرنے والا اور شکر کرنے والا بندہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

والسلام

عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

(ڈاکٹر عبدالرشید وقار)

إن أكرمكم عند الله أتقاكم إن الله عليم خبير (الحجرات' 13)

ترجمہ: درحقیقت تم میں زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو متقی ہے بے شک اللہ علیم و خبیر ہے۔

تشریح: خداوند قدوس نے مسلم معاشرہ کو ایک کامیاب معاشرہ بنانے کے لئے جامع قسم کی ہدایات سے نوازا ہے۔ ہر وہ خرابی جو عالم گیر فساد کا موجب بن سکتی ہے۔ اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اور اہل اسلام کی خصوصی تربیت کے لئے بنیادی قوانین وضع فرماتے ہیں۔

آزادی افکار کا شیدا انسان ہر دور میں قوانین فطرت کو نظر انداز کر کے انواع و اقسام کے نظریے اور فلسفے ایجاد کرتا رہا۔ انسانیت کو نظر انداز کرنے کے بعد اپنے گرد دائرے اور حصار بناتا رہا۔ اس دائرے کے اندر پیدا ہونے والوں کو اپنا اور اس سے باہر پیدا ہونے والوں کو غیر سمجھتا رہا۔ حالانکہ اس کی کوئی معقول وجہ بھی نہ تھی۔ کسی خاندان میں پیدا ہونا۔ جغرافیائی لحاظ سے کسی مخصوص زمین کا باشندہ ہونا۔ کالا یا گورا ہونا۔ یا کوئی خاص زبان بولنا ایسا الٰہی امر ہے جس میں انسانی کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ اور نہ ہی قرآن کریم اس تفریق کو وجہ افتخار قرار دیتا ہے۔ ان امور کو بنیاد بنا کر کسی کو اپنا اور دوسرے کو غیر سمجھنا ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔

تاریخ کے صفحات کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ قوموں نے صدیوں تک اس مسلک کو اپنائے رکھا اور انسانیت کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔ جس کو چاہا محترم سمجھا اور جسے چاہا حقیر گردانا اس خرابی کی اصلاح کے لئے قرآن حکیم میں یہ آیت نازل فرمائی گئی اور تمام انسانوں کو مخاطب کر کے خبردار کیا گیا کہ تم سب ایک ہی مرد اور عورت کی اولاد ہو۔ دنیا میں جتنی قومیں اور نسلیں آباد ہیں ان سب کی اصل ایک ہے۔ تمہارا پیدا کرنے والا بھی ایک ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ ایک قوم کو ایک خدا نے دوسری کو دوسرے خدا نے پیدا کیا ہو۔ ایک کو بڑھیا مادہ تخلیق سے بنایا گیا ہو اور دوسرے کو گھٹیا مواد سے۔ سب کا طریق پیدائش ایک ہی ہے۔ لہٰذا اونچ نیچ کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ کوئی قوم دوسری قوم پر فوقیت نہیں رکھتی۔ انسان اور انسان کے درمیان اگر کوئی

فضیلت اور برتری کی وجہ ہو سکتی ہے تو وہ اس کی ذاتی خوبی ہے جسے تقویٰ کا نام دیا گیا ہے۔ جو شخص بھی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محترم سمجھا جائے گا۔ خواہ دنیا کے کسی ملک کا باشندہ ہو، کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ کوئی بھی زبان بولتا ہو۔ عربی یا عجمی ہو۔ اس کا مرتبہ دوسروں سے اعلیٰ اور ارفع ہو گا۔

حضور اکرم ﷺ نے مختلف موقعوں پر ارشاد فرمایا

"تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔ اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔ ورنہ وہ اللہ کی نگاہ میں حقیر کیڑے سے زیادہ ذلیل ہونگے" پھر ارشاد فرمایا۔

"اللہ قیامت کے روز تمہارا حسب نسب نہیں پوچھے گا۔ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے" ایک اور موقع پر فرمایا

"اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے"

یہ احادیث صرف الفاظ تک محدود نہیں بلکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں سے ان پر عمل کروا کر دکھایا اور اسلامی برادری قائم کر کے دکھادی جس میں زبان، رنگ، نسل اور وطن کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ادنیٰ اور اعلیٰ کا کوئی تصور نہ تھا۔ چشم فلک نے شاید یہ منظر کبھی نہ دیکھا ہو کہ غلام سوار ہو اور 25 لاکھ مربع میل کا حاکم اس کے ہمراہ پیدل چل رہا ہو۔ تقویٰ کی فضیلت کی وجہ انسان بارگاہ ایزدی میں صاحب تکریم ہو جاتا ہے۔ آگے فرمایا کہ اے لوگو تمہارے ادنیٰ و اعلیٰ کے معیار معتبر نہیں۔ ہو سکتا ہے تم جسے اعلیٰ سمجھتے ہو روز حشر اللہ کے نزدیک وہ کم مرتبہ کا انسان ہو۔
اور جن کو تم حقیر سمجھتے ہو وہ اونچا مرتبہ حاصل کر لے۔ دنیا کی عزت اور ذلت کی کوئی اہمیت نہیں۔ بلکہ حقیقی عزت وہ عزت ہے جو اللہ کے ہاں کسی کو ملے گی لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنے اندر ایسے اوصاف پیدا کر لے جو اسے پروردگار کی نگاہ میں عزت کے لائق بنا سکیں بعض لوگوں نے اپنے چہرے پر تقویٰ کا جعلی خول چڑھا رکھا ہے جس سے دنیا کا فائدہ مقصود ہے۔ ان کو یہ روش ترک کر کے اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور خدائے علیم و خبیر کے نزدیک عزت حاصل کرنے کے لئے اللہ والوں کی صحبت میں رہنا چاہئے تا کہ اخلاص پیدا ہو۔

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم يقول من شهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله حرم الله عليه النار (مسلم)

ترجمہ! "حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ "جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے"

اس حدیث مبارکہ میں واضح الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ جو شخص توحید اور رسالت کو سچے اور مخلصانہ طور پر ادا کرے گا وہ ضرور جنت میں جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے۔

جو لوگ قرآن و حدیث کے محاورہ اور طرز بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی توحید اور رسول کریمؐ کی رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ ﷺ کی دعوت ایمان کو قبول کر لینا اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنا لینا ہونا ہے۔ اسی لئے ان دو شہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص نے رسول کریم ﷺ کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا اور اسلام کو اپنا دین بنا لیا۔ پس رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہی ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت ادا کر کے میری ایمانی دعوت کو قبول کر لے اور اسلام کو اپنا دین بنا لے اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحب یقین ہو تو اگر اسی حال میں وہ مر جائے گا تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرے لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے بلکہ کسی اور دین و مذہب پر قائم رہے یا توحید و رسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ ہرگز اس بشارت کا مستحق نہ ہو گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ توحید و رسالت کی شہادت سے مراد دعوت اسلام کو قبول کرنا اور اس پر چلنا ہے بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کلمہ طیبہ کی شہادت پورے اسلام کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جس نے یہ شہادت سوچ سمجھ کے ادا کی در حقیقت اس نے پورے اسلام کو اپنا دین بنا لیا اور اسی میں راہ نجات ہے۔

صدائے فقیر

پتا نہیں ہلتا

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عام طور پر جب بھی کسی مسلمان بھائی کو بے عملی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اپنی نافرمانی اور کاہلی کو سہارا دینے کے لئے ایک مقبول العوام بہانہ پیش کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کے حکم کے بغیر کوئی پتا بھی نہیں ہل سکتا اس لئے ہم بھلا اس کی مرضی کے بغیر کیا کر سکتے ہیں۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اور نمازی بنا دے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا واقعی قرآن کریم میں ایسا ہی فرمایا گیا ہے؟ اور اگر نہیں فرمایا گیا تو پھر ہمیں اس قول کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنے کی جسارت ہرگز نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بہت سنجیدہ اور بھاری ہے۔ آیئے سب سے پہلے متعلقہ آیات کی تلاوت اور انکا ترجمہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو ويعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقه الا يعلمها ولا حبه فی ظلمت الارض ولا رطب ولا يابس الا فی كتب مبين O وهو الذی يتوفكم باليل ويعلم ما جرحتم بالنهار ثم يبعثكم فيه ليقضی اجل مسمی ثم اليه مرجعكم ثم ينبئكم بما كنتم تعملون O (الانعام 59، 60)

”اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔ وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے۔ پھر تم کو اٹھا دیتا ہے تاکہ اسی طرح زندگی کی معین مدت پوری کر دی جائے۔ پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو ایک ایک کر کے بتائے گا“

ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لامتناہی علم کی وسعت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ جو کچھ غیب

میں ہے وہاں تک کسی انسان کی بذات خود رسائی نہیں ہو سکتی اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ عالم مادی میں، خشکی اور تری میں جو کچھ بھی ہے وہ سب جانتا ہے۔ سطح زمین پر اور زیر آب اربوں کی تعداد میں درخت اور پودے موجود ہیں۔ ان سے دن کے اجالے اور رات کے اندھیرے میں ہر لحظہ اگنت پتے جھڑتے رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ جہاں کہیں بھی کوئی پتا گرتا ہے اسے اس کا علم ہوتا ہے اور اس کی باریک بینی کی یہ شان ہے کہ بطن زمین کے اندھیروں میں چھپا ہوا چھوٹے سے چھوٹا دانہ اور ہر خشک و تر چیز ہمہ وقت اس کی نگاہ میں رہتی ہے۔ اے انسانو! خبردار رہو کہ اللہ کی ذات تمہارے اعمال کی بھی اسی طرح نگران ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام اپنے زعم میں خواہ کتنے ہی پردوں میں چھپ کر کرو لیکن وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے اور قیامت کے دن تمہاری کمایا ہوا خیر و شر کا ذرہ ذرہ تمہارے سامنے لا موجود کریگا۔ اس طرح کی آیات سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور اس کی عظمت و ہیبت اس کے دل پر چھا جائے تاکہ وہ تقویٰ کی راہ میں آگے بڑھتا چلا جائے اور مومن اس زمین میں اپنے اعمال کا محاسبہ ویسی ہی دقت نظری سے کرے جیسی باریکی سے قیامت کے دن اس کا حساب ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انسان کے ساتھ تو خصوصی قرب والا تعلق ہے جو اس سے اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اپنے نفس کی نفاست اور سوچ کی سچائی پر بھی نظر رکھے۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ملاحظہ فرمایئے۔

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه ونحن اقرب اليه من حبل الوريد O (16:50)

"اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گذرتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں اور ہم اسکی رگ جاں سے اس سے زیادہ قریب ہیں"

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ شروع میں جس آیت کا ذکر کیا گیا تھا اس میں پتا ملنے کا نہیں فرمایا گیا ہے جیسا کہ عوام و خواص نے مشہور کر رکھا ہے بلکہ پتا گرنے اور اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہونے کا ذکر ہوا ہے۔ اس لئے ہم سب کو احتیاط برتنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات ہرگز منسوب نہ کریں جو انہوں نے نہ فرمائی ہو۔

اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ جمادات و نباتات اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وظیفہ حیات کے پابند اور تقدیر الٰہی میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ قانون فطرت سے سرمو انحراف

نہیں کرسکتے۔ کیونکہ ان کو انسان کی طرح انتخاب و اختیار کا شعور عطا نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ تقدیر جس میں مرضی کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔

جمادات و نباتات کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔ لیکن حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے ایک حد تک ارادہ و اختیار کی جو نعمت عطا کر رکھی ہے اس کے تحت جہاں وہ صراط مستقیم پر گامزن ہو کر اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کرتا ہے وہاں خطاء نسیان کا یہ پتلا قدم قدم پر اس کے احکام کی جان بوجھ کر یا بھولے سے خلاف ورزیاں بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے جو دوست پتا نہ ہلنے والی دلیل پیش کرتے ہیں ان سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ پتا ہلتا ہے یا نہیں ہلتا اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ہم ذرا اپنی بات کریں کیا ہم اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کے خلاف ہل رہے ہیں یا نہیں۔ ہم یقیناً" ہلتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں صاحب ارادہ و اختیار بنایا گیا ہے جس کے نتیجہ میں ہمارے درمیان اختلاف عمل رونما ہوتا ہے۔

اب یہ انسان کی بصیرت اور صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ شیطان کا دوست بن کر خواہشات نفس کی پیروی میں زندگی بسر کرتا اور جہنم میں اس کا ساتھی بنتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے دین حق کا پابند ہو کر انعام یافتہ گروہ میں شامل ہو کر فلاح دارین حاصل کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو بے عملی سکھانے والے تصور سے نکال کر عمل کی راہ دکھاتے ہوئے تقدیر کی تشریح اس طرح فرمائی

تقدیر کے پابند ہیں نبادات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند
عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

جمادات اور نبادات کو انکے حیاتیاتی مقام کی مناسبت سے تھوڑا بہت شعور بخشا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنے خالق کو پہچانتی' اس کی تسبیح کرتی اور اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے۔ نبادات کا شعور جمادات سے کچھ زیادہ ہے کہ انہیں پانی' ہوا اور روشنی کا احساس ہوتا ہے۔ درخت اور پودے زمین سے اگتے' بڑھتے' پھولتے پھلتے اور اپنی نسل کو جاری رکھتے ہیں۔ لیکن نہ تو وہ اپنے مقام سے حرکت کرسکتے ہیں اور نہ ہی اپنی نوع میں کوئی تبدیلی لاسکتے ہیں۔ حیوانات کو نبادات پر یہ برتری حاصل ہے کہ وہ جبلی خواہشات کی تسکین کے لئے حرکت تو کرسکتے ہیں لیکن اپنی طرز حیات اور ماحول میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی لانے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ کروڑوں

برسوں سے ان کی بود و باش ایک ہی ڈگر پر چل رہی ہے۔ یہ خصوصی شرف حضرت انسان کے لئے وقف تھا کہ اسے بہترین صلاحیتوں اور برتر شعور سے نواز کر دوسری مخلوقات پر ترجیح دی گئی۔ اسے صاحب ارادہ و اختیار ہونے کی وجہ سے اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور اس دنیا کی کارکرگی کے مطابق عالم آخرت میں اسے جزاو سزا بھی ملے گی۔

اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر انسان کائنات کی تسخیر اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ میں ہر لحظہ نئی آن' شان سے برابر آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کی معاشرت اور معیشت بھی بدلتی چلی جا رہی ہے۔ موجودہ دور میں یہ تبدیلیاں اتنی تیزی سے آ رہی ہیں کہ انسان کے مستقبل کے بارے میں صحیح تصور کرنا بھی محال ہو گیا ہے۔ تسخیر و تعمیر کی صلاحیتوں سے لیس صاحب ارادہ مخلوق نے اس کرہ ارض کا نقشہ بدل کر رکھ دیا ہے اور وہ اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کرنے کا ہر لحاظ سے اہل اور مکلف ہے۔

اس دنیا میں انسانوں کا اپنا نظام تعزیرات بھی اسی بنیاد پر تشکیل دیا گیا ہے۔ ہر معاشرہ نے انسانی عقل و شعور کے پختہ ہونے کی ایک عمر مقرر کر رکھی ہے۔ اس حد سے کم عمر کے بچوں کو اس کے اعمال کا پوری طرح ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے گھناؤنے جرائم پر بھی ہلکی ہلکی سی سزائیں دی جاتی ہیں۔ ان کی خام عقلی کی وجہ سے ہی نہ تو ان کو ووٹ دینے کی اجازت ہوتی ہے نہ ہی انہیں گاڑی چلانے یا اسلحہ رکھنے کا لائسنس جاری کیا جاتا ہے بلکہ ان کا شناختی کارڈ تک نہیں بنایا جاتا۔ وہی بچہ جب بالغ ہو جاتا ہے تو اسے یہ تمام حقوق دے دئے جاتے ہیں کہ اب اس کی عقل اتنی پختہ ہو چکی ہوتی ہے کہ اسے اس کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اب اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اسے گاڑی چلانے' اسلحہ رکھنے اور ووٹ ڈالنے کے جو حقوق دئے جا رہے ہیں وہ بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے ان کا غلط استعمال ہرگز نہیں کریگا اور اپنے اخلاق و کردار سے قانون کا پابند اور ذمہ دار شہری ہونے کا ثبوت دے گا۔ جب کسی نوجوان کو بلوغت عقل کی وجہ سے ذمہ داری کا یہ مقام مل جائے تو کیا وہ اس بات کو بھی پسند کریگا کہ اسے دوبارہ کج فہم' کم عقل اور نابالغ قرار دیا جائے اور اسے غیر ذمہ دار فرد قرار دیکر اس کے تمام حقوق ضبط کر لئے جائیں؟

اسی طرح بنی نوع انسان کی مثال ہے۔ آسانی کی خاطر یوں سمجھ لئے کہ تمام مخلوقات میں صرف انسان ہی عقل و شعور کے اس مقام پر فائز ہے کہ اسے دنیا میں انتخاب و اختیار کی آزادی دے کر اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ یہ اصول کی بات ہے کہ ہر منصب کے اختیارات اور

حقوق کی مناسبت سے اس کی ذمہ داریاں بھی عائد کی جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ آزادی بھی انسان کے شعور، اس کی بالغ نظری، اس کی باطنی بصیرت اور اس کے کردار کا ایک کڑا امتحان بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس نے انسان کو اس آزمائش گاہ میں بھٹکنے اور ٹھوکریں کھانے کے لئے تنہا نہیں چھوڑا جہاں زندگی کے ہر موڑ پر شیطان کے کارندے اسے گمراہ کرنے کے لئے بہروپ دھارے کھڑے ہیں بلکہ اپنے منتخب بندوں یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام کے توسط سے صراط مستقیم کی ہدایت کا انتظام فرمادیا۔ اب انسان کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو آئین حیات مان کر اس کے رسول ﷺ کی پیروی میں دنیا کی محبت، ہوا و ہوس، خواہشات نفس اور شیطان کے مکرو فریب سے بچتا ہوا اللہ کی محبت اور فکر آخرت کی راہ پر گامزن رہے اور اس کی رضا حاصل کر کے دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائے۔ اس راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ جسے بندہ مومن عبور کرتا ہے، شیطان کے مکرو فریب کا ہر جال جسے وہ توڑتا ہے اور اپنے نفس کی ہر خواہش جسے شریعت نے ناجائز قرار دیا ہو ٹھکراتا ہے اسے اس کے رب کے قریب کر دیتا ہے۔ اس جدوجہد ہی میں انسان کے کمال کا راز ہے۔ دیکھ لیجئے کہ اللہ علیم و حکیم نے انسان کے دشمن یعنی شیطان کو آدم علیہ السلام سے بھی پہلے پیدا فرمادیا تھا۔ کیونکہ اس کا مقابلہ کئے بغیر انسان اپنے کمال کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے طاقت ہمیشہ رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

اہل ہمت کے لئے کیا لطف ایسی حیات میں
راہ منزل میں جہاں دشمن نہ ہو کوئی گھات میں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل انتظامات کے باوجود اب یہ انسان کی کم نصیبی اور پست ہمتی ہے کہ اتنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے بھی وہ کشمکش حیات سے دست بردار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اختیار و انتخاب کی آزادی سے دست کش ہو کر درختوں کے پتوں اور ریت کے ذروں کا ہم جنس بننے کو ترجیح دینے لگے جو ہر قسم کی آزادی سے محروم اور فطرت کے جبری نظام اطاعت میں جکڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ احسن تقویم سے پیدا کئے گئے انسان کو مادی دنیا کے اسفل السافلین میں اسی لئے ڈالا گیا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زینت حیات کے فریب سے بچتا ہوا ایمان باللہ اور عمل صالح کی راہ اپنائے اور اپنی پوری زندگی اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھال کر اپنا مقصود حیات یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کر کے کامیاب ہو جائے۔ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ انسان کو اس کے مقام کمال تک پہنچانے کے لئے ہے۔ بقول اقبالؒ

گردش میں ہیں سب یہ لیل و نہار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

انسان کی تقدیر جبر میں جکڑی ہوئی نہیں ہے بلکہ ہر انسان کے لئے اس کی صلاحیتوں کے مطابق ایک میدان عمل وقف ہے جس میں اس کی کامیابی کا ہدف یا مقام محمود مقرر کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک پہنچنا اس کے بس میں ہے اس لئے وہ وہاں تک پہنچنے کے لئے مکلف ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہر ایک دوزخی کو جنت میں ایک مقام دکھلا کر فرمائے گا کہ اگر تم میرے رسولوں کا اتباع کر کے نیکی والی زندگی گذارتے تو اس جگہ ہوتے۔ اس پر اس دوزخی کو بڑی حسرت ہو گی۔ وہ اپنی گذشتہ زندگی پر پچھتائے گا اور اپنی عقل کا ماتم کرے گا۔ اس طرح اس کے عذاب میں اضافہ ہو گا۔ اسی طرح ہر جنتی کو دوزخ میں اس کے مقام کی جھلک دکھلا کر فرمایا جائے گا کہ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہ لاتے اور عمل صالح کی راہ نہ اپناتے تو جنت کی بجائے یہ تمہارا ٹھکانہ ہوتا۔ اس پر مومن اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریگا۔ جس نے اپنے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی دعوت قبول کر کے ایمان و عمل کی توفیق عطا فرمائی اور دوزخ کے عذاب سے بچا لیا۔ اس طرح اس کی خوشی دوبالا ہو جائے گی اور وہ اللہ کا مزید شکر بجا لائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے جامد تقدیر کا تصور قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ اس کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جانے اور اللہ کی رضا حاصل کر لینے والا حرکی نظریہ تقدیر ہے۔ قرون اولیٰ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اور قرون وسطیٰ کے اہل ایمان جب تک اس ازلی و ابدی حقیقت کو حرز جان بنائے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت کے صراط مستقیم پر شعلہ جوالہ بن کر آگے بڑھتے رہے، جب تک وہ اپنے آپ کو مرکز کائنات سمجھ کر اس عالم خاک کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں تو لگاتے رہے لیکن اس کی محبت کے اسیر نہیں ہوئے، جب تک اللہ کی رضا ان کا مقصود حیات بنی رہی اور اس میں رکاوٹ نہ ڈالنے والی ہر خواہش اور متاع زینت کو ٹھکرا کر راہ حق پر گامزن رہے، جب تک وہ طائران لاہوتی عالم خاک کی جکڑ بندیوں سے آزاد رہے اور اپنی سوئے عرش پرواز میں کوتاہی پر موت کو ترجیح دیتے رہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت ان کے سروں پر سایہ فگن رہی، قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت ان کی ٹھوکروں سے لڑھکتے رہے اور اقوام عالم کی قیادت ان کے ہاتھوں میں ہونے پر فخر کرتی رہی لیکن اب بقول اقبال"

خبر نہیں اسے کیا کہوں؟ ہے یہ خود فریبی کہ خدا فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطوط

(ترتیب و تدوین! خالد مسعود)

1۔ اخلاق و شرافت کا نام فقر ہے

(بنام محمد قاسم صاحب 64-1-15)

"مولوی عارف صاحب کو میری طرف سے کہہ دیں کہ ہمارے حلقہ میں کسی فقیر وغیرہ کو لے کر نہ آیا کریں ورنہ ان کے لئے اچھا نہ ہو گا۔ وہ تو فقر کو مذاق جانتے ہیں۔ بہرحال اب جو صاحب آ گئے ہیں یا آئندہ آ جائیں تو ان سے بد اخلاقی سے پیش آنا بھی برا ہے۔ یہ لوگ نہ فقیری سے واقف ہیں نہ آداب سلوک سے۔ فقر تو سراسر اخلاق ہے۔ یہ لوگ اخلاق کی الف' بے' تے بھی نہیں جانتے۔ دستور اخلاق میں کہاں جائز ہے کہ کسی مجلس میں بغیر بلائے چلے جاؤ۔ اور اگر چلے بھی جاؤ تو وہاں جا کر اپنی طاقت اور علم کا مظاہرہ کرو۔ یہ نہایت ہی جاہل اور احمقوں کا کام ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ اور عارف صاحب سے تو میں اس بات پر بہت ناراض ہوں۔ ان سے کہہ دینا اور دل چاہے تو یہ خط بھی پڑھا دینا۔ میں لوگوں کو اخلاق محمدی ﷺ سکھاتا ہوں اور یہ وہی لفنگا پن سکھاتے ہیں۔ آپ اس ملنگ کو منع کر دیں کہ ہمارے ہاں مت آیا کرو اس سے ہمارے حلقہ کی سنجیدگی اور متانت میں فرق پڑے گا۔ ولایت میں شرافت کا پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جو شریف نہ ہو وہ ولی اللہ کیسے بن سکتا ہے۔ روحانی طاقت کا پیدا ہونا ولایت نہیں ہے یہ تو کافروں میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تک شرافت نہ ہو' آداب سلوک و آداب مجلس نہ آتے ہوں' اخلاقی برائیوں اور خوبیوں کا پتہ نہ ہو یعنی جب تک شرافت کی تکمیل نہ ہو ولایت کی چوکھٹ تک بھی آدمی نہیں پہنچتا۔ یہ سب جاہل لوگ ہیں۔ آپ کو ان سے ڈرنے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں"

"ہم اپنے حلقہ کو کباڑ خانہ نہیں بنانا چاہتے۔ ہم تو پہلے ایک شریف انسان بناتے ہیں پھر آگے چلاتے ہیں۔ اگر وہ ملنگ شریفوں کی طرح حلقہ میں بیٹھے اور شریفانہ طرز اختیار کرے تو آپ کو اختیار ہے کہ اسے آنے دیں یا منع کر دیں"

" شریفوں میں طاقت آ جاتی ہے یا اختیار مل جاتا ہے تو وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتے' تنگ نہیں کرتے بلکہ خدمت و تعمیر میں مصروف رہتے ہیں۔ کمینوں کو طاقت مل جاتی ہے تو وہ

لوگوں کو دکھاتے، شیخی مارتے اور ستاتے پھرتے ہیں۔ دوستوں کو سلام محبت کے بعد کہہ دیں کہ روحانی طاقت بلند کرنے کے لئے اخلاق بلند کرنا ضروری ہے۔ اس کا خیال رکھیں"

2۔ سختی و بد اخلاقی کے مقابلے میں نرمی و خوش خلقی

(بنام اکبر مغل صاحب 71-11-30)

"اخلاق کو بہتر بنانے کے لئے میں نے طریقت توحیدیہ میں لکھ تو دیا ہے۔ آپ پڑھتے کیوں نہیں کہ غصہ اور نفرت کو بالکل نفی کر دو اور سب سے محبت کرو اور جو کام کرو حق کرو۔ جو کوئی آپ کے ساتھ زیادتی یا سختی کرے یا بد اخلاقی سے پیش آئے اس کے ساتھ اتنی ہی زیادہ نرمی، خوش خلقی اور نیکی سے پیش آؤ"

3۔ اخلاق پر زور

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 71-12-2)

"اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح ہمیشہ انہی کی ہوتی ہے جن کا اخلاق مد مقابل سے اچھا ہو۔ اسی لئے میں روحانی طاقت کے مقابلہ میں اخلاق پر زیادہ زور دیتا ہوں۔ ورنہ بد اخلاق آدمی میں کتنی ہی روحانی طاقت آجائے، وہ دنیا کو نقصان ہی پہنچاتا ہے فائدہ نہیں پہنچاتا۔ آپ بھی سب بھائیوں کو گاہ بگاہ اخلاق سدھارنے کی تعلیم دیتے رہیں اور ترکیب بھی بتایا کریں"

4۔ ایثار و محبت

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 63-3-18)

"احمدی حضرات کا کیا کہنا۔ ایک صریح گمراہ کن راستہ پر چلتے ہوئے اتنا ایثار کرتے ہیں (آمدنی کا 10 %) کہ جس کی مثال مسلمانوں کی کسی جماعت میں نہیں ملتی اور عیسائی تو ہیں ہی مجسم ایثار و محبت۔ آپ کو چاہیئے کہ حلقہ ذکر کے بعد اہل حلقہ کو ایسی ہی باتوں کی تبلیغ کیا کریں"

نوٹ! شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب کا ارشاد ہے کہ قبلہ عبدالحکیم انصاری کے تجویز کردہ اسمائے باری تعالیٰ کے وظائف جو "خواجہ کے خطوط" میں درج ہوتے ہیں انہیں ہر شخص کو عمل کرنے کی اجازت ہے۔

مجالس فقیر

رزق پہنچانے کے بہانے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تمہیں ایک بڑا ہی مزیدار قصہ سناتا ہوں۔ حضرت رسالدار محمد حنیف خاں ؒ کے آبائی قصبہ مہندر گڑھ ریاست پٹیالہ کا ایک میراثی غربت کے ہاتھوں تنگ آکر گھر سے نکل بھاگا اور اس نے فقیرانہ وضع قطع اختیار کر کے بھیک مانگنا شروع کر دی۔ آدمی ذہین اور باتیں بنانا جانتا تھا۔ اس لئے اس کا یہ کام خوب چل نکلا۔ پھرتے پھراتے ایک ایسے قصبے میں جا پہنچا جہاں کے ایک ہندو رئیس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ میراثی نے بڑی ہوشیاری سے اس رئیس کے گھریلو نوکر سے سانٹھ گانٹھ کر کے معلومات حاصل کیں اور سیٹھ سے ملنے والے نذرانے میں حصہ دینے کا بھی وعدہ کیا۔ مقررہ دن اور وقت پر میراثی ایک سادھو سنت کا روپ دھارے مطلوبہ گلی میں آنمودار ہوا اور صدا لگانے لگا کہ بھگوان کے سنت ہمالہ کے پہاڑوں سے اتر کر آئے ہیں دکھیوں کے دکھ دور اور بے مرادوں کی مرادیں پوری ہونگی۔ جو پوچھنا ہے پوچھ لو جو مانگنا ہے مانگ لو۔ رئیس کا نوکر بھاگ کر اندر گیا اور سیٹھ سیٹھانی کو اطلاع دی کہ ایک بہت ہی پہنچے ہوئے جوگی مہاراج خود چل کر ہمارے بھاگ جگانے آگئے ہیں۔ انہوں نے اسے اندر لانے کو کہا۔

میراثی مہاراج اندر آکر براجمان ہو گئے تو میاں بیوی نے حاضر ہو کر پرنام کیا' پاؤں چھوئے اور احترام کے ساتھ دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ سیٹھ کی بیوی عرض مدعا کرنے ہی لگی تھی کہ جوگی مہاراج نے انہیں ٹوک دیا اور فرمایا کہ ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے ہم دل کی بات اور من کی دلیل جانتے ہیں۔ ہمیں پتہ ہے کہ تمہاری شادی کو دس برس ہو گئے ہیں لیکن تمہاری گود ہری نہیں ہوئی۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ من کی مراد پانے کے لئے تم نے کہاں

کہاں کے چکر کاٹے ہیں۔ اب چنتا کی کوئی بات نہیں۔ ہم آگئے ہیں تو اب مراد پوری ہونے کی گھڑی آگئی ہے۔ اہل خانہ ان کی باتیں سن کر اور بھی گرویدہ ہو گئے۔ انہوں نے مہاراج کو خوب کھلایا پلایا اور کافی نقد رقم بھی نذر کی۔ میراثی نے رئیس کو کہا کہ اپنی ڈائری لے کر آؤ۔ رئیس ڈائری لے کر آیا تو میراثی نے نو دس ماہ بعد کی ایک تاریخ لکھ دی اور کہا کہ اس تاریخ کو تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہو گا۔ میراثی صاحب نے وہاں سے فارغ ہو کر نوکر سے طے شدہ حصہ ادا کیا اور اس علاقہ سے باہر نکل گیا۔ اب اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ چند دنوں کے بعد ہی اس کی عورت کو حمل ٹھہر گیا اور نو ماہ بعد میراثی کی دی ہوئی تاریخ پر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ رئیس اور اس کے اہل خانہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی مراد پوری کرنے والے جوگی مہاراج کے کہیں دوبارہ درشن ہوں تو ان پر اپنی دولت نچھاور کریں۔ میراثی صاحب ڈر کے مارے ادھر کا رخ نہ کرتا تھا کہ وہاں گیا تو جھوٹ پکڑا جائے گا۔ گھر کے نوکر کو بھی اس کا ٹھکانہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے جوگی صاحب کیسے ملتے' اتفاق سے اس علاقے میں ہونے والے ایک میلے میں سیٹھ صاحب اور میراثی کا آمنا سامنا ہو گیا میراثی اس سے بچنے کے لئے پیچھے مڑا اور سیٹھ سے بچنے کے لئے دوڑنا شروع کر دیا لیکن سیٹھ صاحب بھلا اپنے محسن مہاراج کو کہاں بھاگنے دیتے تھے۔ جب میراثی پکڑا گیا تو اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو' میں تو تمہیں جانتا تک نہیں تو پھر کیوں مجھے پریشان کر رہے ہو۔ سیٹھ نے کہا مہاراج ہم تو مہینوں سے آپ کی تلاش میں تھے۔ آپ کی دعا سے ہمیں بھگوان نے بیٹا دیا اور وہ اسی تاریخ کو پیدا ہوا جو آپ لکھ کر دے آئے تھے۔ یہ سن کر میراثی کی جان میں جان آئی اور وہ سنبھل گیا۔ سیٹھ صاحب اسے اپنے ساتھ لے گئے کئی دن تک مہمان رکھا اور ایک کثیر رقم اس کی نذر کی۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ بس اللہ تعالیٰ کے رزق پہنچانے کے بہانے ہیں۔ وہ چاہے تو ناکاروں' جھوٹوں اور نالائقوں کو بھی نواز دے۔ اسے بھلا کون پوچھ سکتا ہے؟ یہ قصہ بالکل سچا ہے اور حضرت رسالدارؒ اس میراثی کو جانتے تھے۔

تصوف

(بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

تصوف نے پہلے مسلمانوں کے عقائد اور پھر اعمال پر اس قدر اثر ڈالا ہے کہ آج غالباً ایک فرد واحد بھی اس سے بچا ہوا نہیں خواہ وہ تصوف کا قائل اور معتقد ہو یا نہ ہو۔ لیکن لطف یہ ہے کہ نہ تو قرآن میں لفظ تصوف کا کہیں نام و نشان ہے نہ حدیث سے کہیں تصوف کی مروجہ تعلیم کا ذکر آیا ہے ۔ پھر یہ کہاں سے نمودار ہوا اور کیونکر ہمارے عقائد و اعمال پر اس طرح چھا گیا کہ خود قرآنی تعلیم بھی غائب ہو گئی۔ اور یہ ہے کیا؟۔

جس کسی نے تصوف کی تحقیق پر قلم اٹھایا اس نے اس کی وجہ تسمیہ کی چھان بین پر صفحے کے صفحے کالے کر دیئے ۔ ہم اس کو بیکار سمجھتے ہیں۔ وجہ تسمیہ کچھ بھی ہو ہم کو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس علم کا موضوع کیا ہے۔ چنانچہ جو شخص تصوف کی مبادیات سے بھی واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس علم کا موضوع بالکل وہی ہے جو فلسفہ کا ہے یعنی حقیقت کا معلوم کرنا یا پھر یہ جاننا کہ مادہ کیا ہے؟ روح کیا ہے؟ انسان کیا ہے؟ عقل اور نفس کیا ہیں؟ مرنے کے بعد روح بھی مر جاتی ہے یا باقی رہتی ہے؟ جنت اور دوزخ وغیرہ ہیں بھی یا نہیں اور ہیں تو ان کی حقیقت کیا ہے؟ ان سب کا بنانے والا کوئی ہے یا نہیں ہے؟ ہے تو کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اب فلسفہ و تصوف میں فرق یہ ہے کہ فلسفہ میں ان باتوں کو جاننے کی کوشش بذریعہ عقل یعنی صحیح منطقی استدلال اور استنباط نتائج سے کی جاتی ہے ۔ لیکن تصوف میں یہ کوشش چند ایسی مشقوں اور اعمال سے ہوتی ہے جن سے کچھ باطنی حواس اور روحانی قوتیں جاگ اٹھتی ہیں اور مقاصد مطلوبہ کے حصول میں مدد دیتی ہیں۔ ان مشقوں اور اعمال کا ذکر کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قرآن میں بھی اس علم کا ذکر ہے یا نہیں؟

اس میں شک نہیں کہ قرآن میں لفظ تصوف کہیں بھی موجود نہیں بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً پونے دو سو برس تک اسلامی تاریخ یا کسی اور کتاب میں بھی یہ لفظ نہیں پایا جاتا ۔ لیکن قرآن میں کئی جگہ ایک اور لفظ آیا ہے جس کا موضوع بالکل وہی ہے جو تصوف کا ہے ۔ یہ لفظ "حکمت" ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

کما ارسلنافیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایتنا و یزکیکم ویعلمکم الکتب

والحکمتہ ویعلمکم مالم تکونو تعلمون O (البقرہ-151)

یعنی "ہم نے تم ہی میں سے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا اور پاکیزہ بناتا ہے اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت اور وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے"۔ اس آیت کے علاوہ بالکل یہی بات "آل عمران" اور "سورہ جمعہ" میں بھی ارشاد ہوئی ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پہلے تو قرآن کی آیات پڑھ کر سناتے اور پھر سکھاتے تھے یعنی نمونہ دے کر بتاتے یا توضیح کر کے سمجھاتے تھے، مثلاً" نماز کا حکم آیا تو پڑھ کر دکھائی اور دوسرے احکام آئے تو وضاحت کر کے بتائے اور حضور ﷺ کا یہ قول اور فعل حدیث کہلاتا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ حضور ﷺ ایک اور چیز بھی سکھاتے تھے اور وہ تھی حکمت، اب "حکمت" کا ترجمہ مترجمین نے کہیں کام کی بات کیا ہے، کہیں عقل کی اور سمجھ کی، لیکن الحمدللہ کہ آج اردو زبان ایضاح بیان میں اتنی بلندی تک پہنچ گئی ہے کہ اہل علم کو لفظ "حکمت" کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی غلطی نہ ہوگی۔ ان آیات کے علاوہ لفظ "حکمت" قرآن میں اور بھی کئی جگہ آیا ہے۔

یوتی الحکمتہ من یشاء ومن یوت الحکمتہ فقد اوتی خیرا کثیر"ا ومایذکر الا اولوالباب O (البقرہ-269)

یعنی "اللہ تعالیٰ حکمت عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کی گئی اور یہ حکمت کی باتیں کوئی نہیں سمجھ سکتا لیکن وہ جو دانشمند ہیں"۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ (ا) حکمت اللہ تعالیٰ ہر ایک کو نہیں بلکہ جس کو چاہتا ہے اس کو سکھاتا ہے، یعنی یہ کسبی نہیں بلکہ محض وہبی ہے مطلب یہ کہ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۲) حکمت کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ خیر کثیر ہے۔

(۳) حکمت ہر خاص و عام کے لئے نہیں بلکہ صرف ان خاص الخاص لوگوں کے لئے ہے جو انتہائی دانش مند ہوں۔

حکمت کا ترجمہ فلسفہ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن جو لوگ فلسفہ یعنی استدلال عقلی سے "حقیقت" کی کوشش کرتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو آخر میں اللہ تعالیٰ یعنی ایک واجب

الوجود کو مان لیتے ہیں اور دوسرے وہ جو اللہ تعالیٰ کے منکر ہو جاتے ہیں اور صرف مادہ ہی کو ازلی ابدی تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن میں لفظ "حکمت" فلسفہ کے معنی میں ہرگز نہیں آیا کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ اپنے بندوں کو ایسی تعلیم ہرگز نہیں دے سکتا جس سے لوگ منکر بھی ہو سکیں' لہٰذا حکمت کے معنی سوائے اس علم کے اور کچھ نہیں جس کو تصوف کہا جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعلیم خفیہ طور پر کیوں دی جاتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعلیم خفیہ طور پر ہرگز نہیں دی جاتی بلکہ صرف خاص خاص لوگوں کو دی جاتی ہے' عوام کو نہیں۔ اس کی وجہ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے' یہ ہے کہ اس علم کی طلب اور اس کے حصول کی استعداد صرف خواص میں ہوتی ہے۔ عوام میں نہ اس کی طلب ہوتی ہے نہ ان کی عقل میں یہ باتیں آ سکتی ہیں۔ یہ علم لطائف غیبی اور کوائف باطنی سے متعلق ہیں جو حواس ظاہری سے معلوم و متحقق نہیں ہو سکتے' اس لئے ان کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں صرف کر کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ کوائف و حقائق روحانی کا بیان تو بڑی بات ہے جو مادی اشیاء ہم دنیا میں دیکھتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں وہ بھی آپ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے مثلاً "سفید' سرخ' نیلا پیلا یا کسی اور قسم کا رنگ ہرگز الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا' صرف سامنے رکھ کر دکھایا جا سکتا ہے یا مثال دے کر بیان کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کسی چیز کی خوشبو یا بدبو ہرگز الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی صرف سنگھا کر بتائی جا سکتی ہے۔ کیا کوئی بڑے سے بڑا انشاء پرداز گلاب کی خوشبو کو الفاظ میں اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ جس نے کبھی گلاب نہ سونگھا ہو' اس کی ناک میں گلاب کی خوشبو آنے لگے۔

مختصر یہ کہ لطائف غیبی اور کوائف و حقائق روحانی کو الفاظ میں بیان کرنے سے عوام میں سخت غلطیوں کا پیدا ہونا یقینی ہے' اس لئے یہ تعلیم صرف خواص ہی کو دی گئی' عوام نے اس پر یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ تعلیم خفیہ ہے۔ ہمارے اس بیان کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب سے سچے اولیاء اللہ' تعلیم یافتہ متصوفین یا نااہل صوفیوں نے ان باتوں کو بیان کرنا یا کتابوں میں لکھنا شروع کر دیا' اسی دن سے عوام کے عقائد خراب اور اعمال مسخ ہونے لگے اور ملت اسلامیہ کو بجائے فائدے کے سخت نقصان پہنچا' مثلاً "حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے جب مسئلہ وحدت الوجود یعنی ہمہ اوست کے مسئلہ کو فتوحات کیہ اور فصوص الحکم میں تحریر کر دیا تو اسی وقت سے عوام میں یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ ہر چیز خدا ہے اور جب بعد کی نسلوں کے دماغ میں یہ خیال مرتسم ہو گیا تو خدا کا

خوف جاتا رہا گناہوں پر جسارت پیدا ہوئی' توحید خالص کی قوت جو بنیاد تھی تمام ترقی کی منہدم ہو گئی' حدود شرعیہ تار عنکبوت کی طرح توڑ ڈالی گئیں اور نوبت بد اعمالیوں اور کفر و الحاد تک جا پہنچی۔ مزید برآں یہ کہ ان بد اعمالیوں کے عامل اور تلقین کفر و الحاد کے قائل چونکہ صوفی اور ولی سمجھے جاتے تھے' اس لئے عوام کا ان عقائد باطلہ کو مان کر صحیح اسلام سے منہ پھیر لینا کون سی تعجب کی بات تھی

ایک طرف تو یہ لوگ تھے' دوسری طرف کچھ مسلمان ایسے بھی تھے جو ان باتوں سے متنفر ہو کر سرے سے روحانیت ہی کے منکر ہو گئے اور بجا طور پر ہو گئے۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کرتے اور علمائے ظاہر کی تعلیم اس قدر عام اور شدید نہ ہوتی تو آج روئے زمین پر جو یہ نام نہاد مسلمان نظر آتے ہیں یہ بھی دکھائی نہ دیتے اور کفر و الحاد' شرک' قبر پرستی' پیر پرستی بلکہ باقاعدہ بت پرستی کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہ گیا ہوتا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ اور ولی اللہ تھے' لیکن انہوں نے "منزل" کو "مقام" اور "کیفیت" کو "حقیقت" سمجھ لیا اور آگے جانے کی ہمت نہ کی' اس پر غضب یہ کیا کہ جس کیفیت کو حقیقت سمجھے تھے اسے قلم بند کر دیا۔ عوام یا وہ صوفی جو اس مقام تک بھی کبھی نہ پہنچ سکے جہاں وحدت الوجود کی کیفیت حقیقت بن کر سامنے آتی ہے' ابن عربیؒ کی تحریر کا حقیقی مطلب خاک سمجھتے۔ مگر انہوں نے اس خیال سے کہ ابن عربیؒ بہت بڑے عالم اور ولی اللہ ہیں' ان کی باتوں کے ظاہری مطلب کو صحیح مان لیا اور اپنے جاہل مریدوں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا' نتیجہ وہ نکلا جو سامنے ہے۔ وحدت الوجود اصل میں ویدانت کا فلسفہ ہے' اسلامی توحید سے اسے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ ہندوؤں کے رشی اور منی روحانی ترقی کے جس آخری نقطہ تک پہنچے وہ یہی مقام تھا جہاں وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ انہوں نے اسی کو حقیقت اور انتہا تصور کیا اور اسی پر اپنے فلسفے کی بنیاد رکھی' حالانکہ حقیقت کبریٰ یعنی ذات بحت کی وہ حقیقت جہاں کوئی صفت موجود نہیں' اس مقام سے کہیں آگے ہے جہاں وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور یہی "حکمت اسلامی" کی فضیلت ہے کہ مسلمان اولیاء وہاں پہنچتے ہیں جہاں دوسرے ادیان کا کوئی بزرگ بھی نہ پہنچ سکا' اور وہیں پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ "توحید خالص" کیا ہے۔ وحدت الوجود کا مفصل بیان آگے کیا جائے گا۔

ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی ولی اللہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو اگر ایسی بات کہے جو وحی یعنی قرآن کے خلاف ہو تو اس بات کو ماننے سے فوراً انکار کر دینا چاہئے۔ یہی نہیں بلکہ اگر اس ولی کی

ولایت ہی سے انکار کر دیا جائے تو بھی دین میں ذرہ برابر خلل نہیں آتا کیونکہ اولیاء کی ولایت کو ماننا اصول دین میں نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی کسی طرح جائز نہیں کہ ایسے اولیاء کی شان میں گستاخی کی جائے یا نازیبا اور ناشائستہ الفاظ ان کے لئے استعمال کئے جائیں۔ ایسے موقعہ پر یقین کر لینا چاہئے کہ جو کچھ اس بزرگ نے سمجھا یا دیکھا ہے قابل فہم الفاظ میں بیان نہیں کر سکا۔

اسی طرح ان نام نہاد صوفیوں کا ایک اور عقیدہ ہے جو عوام میں بھی بے حد سرایت کر گیا ہے' یعنی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت و حقیقت اور شے۔ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ ایک ایسے مقام تک پہنچ جاتے ہیں جہاں نہ تو عبادت ظاہری کی ضرورت رہتی ہے' نہ کسی گناہ کا عذاب ہوتا ہے اور نعوذ باللہ یہی تعلیم تھی جو رسول اللہ ﷺ خفیہ طور پر دیا کرتے تھے' یعنی حضور ﷺ کا ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور۔ استغفر اللہ' استغفر اللہ۔ حضور ﷺ کی ذات اقدس اور آپ کی دیانت و صداقت پر اس سے بڑا بہتان اور کیا ہو سکتا ہے۔ خیال تو کیجئے جس قوم کا حصہ کثیر اپنے ہادی کی بابت یہ ذلیل عقیدہ رکھتا ہو وہ قوم تباہ و برباد اور رسوا نہ ہو تو اور کیا ہو۔ دراصل مسلمانوں میں جھوٹ اور ریاکاری عام ہونے کی سب سے بڑی نفسیاتی وجہ ہی یہ عقیدہ ہے۔ جب وہ یہ یقین رکھتے ہوں کہ نعوذ باللہ خود رسول اللہ ﷺ کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ' تو وہ خود ایسا کیوں نہ کریں گے۔ یہ لوگ مانتے اور کرتے کچھ ہیں مگر بتاتے اور کہتے کچھ اور ہیں۔ اس بات سے ان کے کردار کی فولادیت ختم اور جذبہ صداقت فنا ہو کر کذب و ریاکاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم نے بے شمار جاہل صوفیوں یا بالفاظ صحیح تصوف کے جھوٹے دعویداروں کو ایسی باتیں کہتے ہوئے بگوش خود سنا ہے۔ ایسے فقیر تو ہر جگہ بے شمار ملیں گے جو نماز نہیں پڑھتے' بھنگ پیتے' چرس کا دم لگاتے اور ان کے علاوہ اور بہت سی باتیں خلاف شرع کرتے ہیں۔ لیکن ہم نے ایک ایسے پیر صاحب کو بھی دیکھا جو کسی مرید کو بیعت کرتے وقت اس سے یہ عہد لیتے تھے کہ "میں نماز کبھی نہیں پڑھوں گا"۔ لطف یہ ہے کہ باوجود اس کے لوگ ان کو بہت بڑا ولی اللہ مانتے تھے اور ایک دنیا میں ان کی کرامتوں کی دھوم تھی' اب فرمائیے اس کے بعد باقی ہی کیا رہ جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعت میں بنیادی چیز عقائد ہیں اور وہ سب کے سب غیب سے متعلق ہیں۔ ان غیبی حقائق کی معرفت حاصل کرنے کے جو طریقے سرکار دو عالم ﷺ نے تلقین فرمائے ہیں ان کا نام طریقت (یعنی راستہ) ہے اور ان پر عمل کرنے کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا نام

حقیقت ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ شریعت ' طریقت اور حقیقت ایک دوسرے کے خلاف
متضاد کیسے ہو گئیں۔

یہ سچ ہے کہ عوام کے لئے صرف شریعت ہی ہے ' انکو طریقت یا حقیقت کی پیچیدہ راہوں میں
داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ خاصان خدا میں شامل ہونے
کامل ہو جانے کے بعد شریعت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ شریعت کا پابند "مسلمان" کہلاتا ہے
اور جب تک کوئی شخص مسلمان نہ بن جائے مومن یا مومن کامل کیسے بن سکتا ہے۔ شریعت ملت
کے خواص اور عوام کا قانون زندگی ہے ' یہی ملت کا سواد اعظم ہیں۔ اگر یہ شریعت کے پابند یعنی
پکے مسلمان نہ ہوں تو مٹھی بھر اولیاء اللہ کر ہی کیا سکتے ہیں ' اس لئے سب سے پہلے اور سب سے
آخر ہر حالت میں ہر شخص کے لئے شریعت کی پابندی لازم ہے۔

شریعت کیا ہے ؟ ایک سیدھی سادی راہ ' طہارت و پاکیزگی ' پانچ وقت کی نماز ' رمضان کے
روزے ' روپیہ ہو تو حج اور زکوٰۃ اور جب تحفظ و بقائے ملت کے لئے ضرورت پڑے تو جہاد۔ اس
کے علاوہ قرآن کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی پر عمل ' اپنے عزیز و اقارب اور اہل دنیا کے ساتھ تمام
معاملات میں وہ سلوک جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے بتایا ہے۔ شریعت کی غایت کیا ہے ؟ یہ کہ
مسلم عوام دنیا میں عزت و شرافت اور امن و امان کی زندگی بسر کرنا سیکھیں ' تمدن میں ترقی کریں اور
اسلامی تعلیم و تہذیب دنیا بھر میں پھیلائیں اور مرنے کے بعد جنت میں جائیں۔ اب غور کیجئے کہ کیا
یہ باتیں کچھ کم وقیع اور کچھ کم ضروری ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم ان پر تو پورا عمل کرتے نہیں طریقت
و معرفت حاصل کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تو ملتا نہیں
دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد تصوف کی جھوٹی سچی کچھ باتیں جو کان میں پڑ جاتی ہیں ان کو
ذریعہ معاش بنا لیا جاتا ہے اور عوام کا ایمان خراب کیا جاتا ہے۔

اب ہم حکمت قرآن کا بیان کرتے ہیں ' لیکن آئندہ اس کتاب میں تصوف کی بجائے حکمت یا
عرفان اور صوفی کی بجائے سالک و عارف وغیرہ جیسی اصطلاحیں استعمال کی جائیں گی کیونکہ تصوف
اس زمانہ میں جس قدر بدنام ہو چکا ہے اس کے پیش نظر یہ لفظ استعمال کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

(بحوالہ تعمیر ملت

حقیقت ذکر الٰہی

سید ابوبکر غزنویؒ

سب لذتیں ہیچ ہیں

پھر یاد رکھو کہ اس روحانی رزق کی لذت کے سامنے کائنات کی تمام لذتیں ہیچ ہیں' یہ جو تم اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ رات بھر اس کی بارگاہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔ یونہی خشک اور بے لذت تو نہیں بیٹھے ہیں۔

دیدہ باشند از رخ آں دوست اندک جلوہ
ورنہ ازا حیائے شب' شب زندہ داراں راچہ حظ

دوست کے مکھڑے کی کچھ جھلکیاں انہیں نظر آتی ہوں گی۔ وگرنہ رات بھر جاگنے کی انہیں کیا پڑی ہے۔

یہ جو صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اس کے حضور میں جم کر بیٹھے رہتے ہیں جب کہ باد نسیم نمازیوں کو بھی تھپک تھپک کر سلا رہی ہوتی ہے' روحانی غذا کھاتے ہیں اور شدید سرور و کیف کے عالم میں ہیں۔

یہ جو ابراہیم ادھمؒ نے بادشاہت پر لات ماری اور تخت و تاج اس سے چھوٹ گیا' تو یہ محض اس لئے کہ اللہ کا ذکر بادشاہت سے لذیذ تر تھا۔

سلطان العارفینؒ نے اپنے دیوان کے مطلع میں اسی روحانی رزق کی لذتوں کا ذکر کیا ہے۔

اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلن پر آئی ہو

"ذکر سے میرا سینہ مہک اٹھا ہے اور قریب ہے کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں"

پس محروم اور کم نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اس روحانی رزق سے کوئی حصہ نہیں ملتا ہے اس سے بڑھ کر بدبختی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ کے ہاں تمہارا راشن کارڈ ہی نہ بنا ہو۔

جب تک فیضان نہیں ہوتا عبادت طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔

اور فیضان ہو تو نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور زندگی الھا الکبیرۃ الا علی الخاشعین

کی سب سے بڑی لذت۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ (نسائی)

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

خبیب بن عدیؓ کو جب پھانسی پر لٹکانے کے لئے لے جا رہے تھے تو کفار نے پوچھا کہ کوئی آرزو ہو تو کہو' فرمایا "مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو"

جب انسان اس روحانی غذا کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے تو وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس نشہ رحمت و سکینت کے بغیر زندگی اسے پھیکی اور بے کیف معلوم ہوتی ہے۔ جیسے بھوکا بے تابی سے روٹی کی طرف لپکتا ہے اور پیاسا بے چینی سے پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے' اسی بے تابی اور بے قراری سے وہ اللہ کے ذکر و عبادت اور مخلوق کی خدمت کی طرف لپکتا ہے تاکہ بادہ رحمت سے وہ روح کی پیاس بجھا سکے وہ لوگ جو رحمت و سکینت کی فضا میں جیتے ہیں وہ اگر اس کے احکام پر عمل کریں اس کی منہیات سے نہ بچیں' تو وہ فیضان رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں اور فیضان رحمت کے بغیر ان کا دم گھٹتا ہے اور زندگی اداس ہو جاتی ہے۔ یوں بغیر کسی کاوش اور مشقت کے زندگی نیکی اور بھلائی کے سانچے میں ڈھل گئی۔ عقیدہ و عمل میں ہم آہنگی پیدا ہوئی اعضاء و جوارح عقیدے کا ساتھ دینے لگے۔

ذکر الٰہی سے رحمت کا ورود ہوتا ہے۔ وہ رحمت تمام روحانی بیماریوں کی دوا ہے اور اہل اللہ کی روحانی غذا ہے۔ وہ رحمت رات کے اندھیرے ہی میں نہیں دن کے اجالے میں برستی ہے۔ وہ رحمت نیند کی حالت میں نہیں' ہوش و آگہی کے عالم میں برستی ہے۔

نہ شبنم' نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

آپ بھی جی میں کہتے ہوں گے کہ یہ کیا پہیلیاں ہیں۔ یہ کیا بجھارتیں ہیں' ذکر تو کبھی کبھار ہم بھی کرتے ہیں' نماز ہم بھی پڑھتے ہیں' مگر یہ رحمت و سکینت کی بارش برسنے کا کوئی حادثہ ہمیں تو پیش نہیں آیا۔ وہ رحمت اگلے وقتوں میں برستی ہوگی۔

اے شوق منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے؟

اس کی صفت رحمان و رحیم بھی ازلی و ابدی ہے۔ وہ پل بھر کے لئے بھی کبھی معطل نہیں ہوئی۔ وہ سرمدی اور لم یزلی ہے۔ صفت رحمان کا تقاضا ہے کہ رحمت ہر دور میں برسے۔ آپ کہیں گے یہ باتیں تو لذیذ ہیں مگر کیا تدبیر کریں کہ رحمت کا ورود ہونے لگے۔

ورود رحمت کیسے ہو؟

یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ ذکر دنیوی اغراض کے لئے کیا جاتا ہے۔ کوئی ملازمت کے لئے ذکر کرتا ہے' کوئی شادی کے لئے تسبیح پھیرتا ہے' کوئی وظیفے پڑھتا ہے کہ اس کے ہاں اولاد نہیں۔ کوئی اس لئے پڑھتا ہے کہ میرے ہاں لڑکیاں ہوتی ہیں اور لڑکا کوئی نہیں۔ دنیا کے دھندے اور جنجال کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ ایک جھنجھٹ سے انسان نکلتا ہے تو دوسرے میں گرفتار ہوتا ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ بد نصیب ہیں وہ لوگ جن کا مقصود ذکر الٰہی سے محض دنیوی خواہشات کی تکمیل ہے۔

ذکر لوجہ اللہ کرو

اے طالب! تو اللہ کا ذکر اللہ کے لئے کر۔ اس کی رضا اور خوشنودی کو اپنا مقصود ٹھہرا لے۔ خود حضور ﷺ کو اصحاب صفہ کی دلجوئی اور پاس خاطر کی دو بار تلقین کی گئی۔ یہ جو اصحاب صفہ کو مقام حاصل ہوا' تو اس کا باعث قرآن نے یہ بتلایا کہ وہ اللہ کو اس کی رضا کی خاطر یاد کرتے ہیں۔

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ (٦ - ٥٢)

ان لوگوں کو اپنے سے پرے نہ ہٹایئے جن کی صبحیں اور شامیں اپنے رب کی یاد میں بسر ہوتی ہیں (اور یاد اس لئے کرتے ہیں کہ) اس کے مکھڑے کے طالب ہیں۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم (١٨-٢٨)

اور ضبط کے ساتھ بیٹھے رہیے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح و شام اس کے مکھڑے کے طالب ہیں۔ ان سے نگہ التفات نہ ہٹایئے۔

دونوں آیتوں میں اس بات پر زور دیا گیا کہ

یریدون وجھہ وہ اس کی رضا چاہتے ہیں

پس اے طالب! تو اپنی نیت کو سیدھا کر اور دل و دماغ کی ہم آہنگی سے کہہ الھی انت مقصودی ورضاک مطلوبی اے اللہ میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا مجھے مطلوب ہے۔

جہد کن تا ترک غیر حق کنی دل ازیں دنیائے فانی بر کنی

کوشش کرو کہ تم غیر اللہ سے دامن جھٹک سکو اور اس دنیائے فانی سے دل نکال سکو۔

چوں الف گر تو مجردی شوی

اندریں رہ مرد مفرد می شوی

اگر تو الف کی طرح (دنیوی حرص و آز کی الائشوں سے) الگ تھلگ ہو جائے' تو اس راستے کا تو مرد یکتا ہو۔

اگر کسی شریف آدمی سے تم وفا کرو اس کے آستانے کے لئے وقف ہو جاؤ اور اس کی محبت کی بناء پر اس کی چاکری کرو' تو وہ بھی تمہاری حاجتوں کا خود خیال کرتا ہے' وہ کہتا ہے اسے کھانا دو' کہیں بھوکا تو نہیں؟ اسے لحاف دو کہیں سردی تو نہیں لگتی ہے' اس کے کپڑے پھٹ گئے ہیں' اسے کپڑے بنا کر دو۔ جب ایک شریف آدمی کی محبت کے یہ تقاضے ہیں تو اس رب العالمین کے بارے میں تمہارا گمان کیا ہے؟ تم اگر اس سے وفا کرو اور اس کی محبت میں اسے یاد کرو تو وہ چن چن کر تمہاری ایک ایک حاجت کو پورا کرے گا۔ حدیث قدسی ہے۔

یا ابن آدم تفرغ لعبادتی اسد فقرک (احمد)

اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو بیٹھ' میں تیری ضرورتوں کو پورا کرونگا۔

کار ساز ما بفکر کار ما

فکر ما در کار ما آزار ما

جتنی عمر تم نے دنیا کے دھندوں کے لئے وظیفے پڑھے' اے کاش اس کا عشر عشیر تم اللہ کی

خاطر پڑھتے تو تم اس کے مقبول بندوں میں شمار ہوتے۔ اے طالب! تو ذکر الٰہی اللہ ہی کے لئے کر اور دنیا کے دھندوں کے لئے دعا مانگ۔ دعا تیری عاجزی' تیری بیچارگی اور تیری درماندگی کا اظہار ہے' یہی اعتدال کی راہ ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے۔ دعا بھی اپنے جی سے گھڑ کر نہ مانگ۔ تیری عقل ناقص ہے۔ تیری معرفت ادھوری ہے۔ تو انگاروں کو پھول سمجھتا ہے اور پھول تجھے انگارے نظر آتے ہیں تو سم قاتل کو شہد سمجھ کر مانگتا ہے۔ تیری دعائیں کچی اور بودی ہیں۔ دعائیں وہی مانگ جو سرور دنیا و دین ﷺ نے سکھلا دی ہیں۔ ان دعاؤں سے سرمو انحراف نہ کر۔

اہل ذکر کی صحبت اختیار کرو

اے طالب! اگر تو چاہتا ہے کہ تجھ پر رحمتوں کی بارش ہو اور تو انوار کی غذا کھائے تو اہل ذکر کی صحبت اختیار کر۔ اس کی صحبت اکسیر اعظم ہے۔ ان کی محفل کبریت احمر ہے تو اپنی انانیت کو کچل کر ان کی مجلس میں جا بیٹھ۔

ابورزینؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا

"میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس سے دنیا اور آخرت کی سعادتیں تمہاری جھولی میں سمٹ آئیں"

علیک بمجالس اھل الذکرواذا خلوت فحرک لسانک مااستطعت بذکر اللہ

اہل ذکر کی مجالس لازم پکڑو اور جب اٹھ کر وہاں سے جاؤ تو اللہ کے ذکر کے ساتھ اپنی زبانوں کو حرکت میں لاؤ۔ جہاں تک تمہارا بس چلے۔

واحب فی اللہ والبغض فی اللہ "اللہ ہی کی خاطر محبت کرو' اللہ ہی کی خاطر نفرت کرو"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا

یا ابارزین ھل شعرت ان الرجل اذا خرج من بیتہ زائرا اخاہ شیعہ سبعون الف ملک کلھم یصلون علیہ ویقولون ربنا انہ وصل فیک فصلہ فان استطعت ان تعمل جسدک فی ذالک ما فعل (بیہقی)

اے ابو رزین! کیا تو نے محسوس کیا ہے کہ آدمی جب گھر سے اپنے دینی بھائی کی زیارت کی نیت سے نکلتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ سب اس پر رحمتیں بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب اس نے تیری خاطر یہ تعلق قائم کیا ہے' تو بھی اس سے تعلق قائم کر۔ اے ابو رزین! یہ ہے کام کرنے کا جہاں تک تمہارا بس چلے' اس میں اپنا جسم کھپا دو۔

اہل ذکر کی صحبت تمہیں ریاضت شاقہ سے بے نیاز کر دے گی۔

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دیں
طعنہ زند بردہا' سخرہ کند بر چلہ

تیسری بات یہ پلے باندھو کہ ذکر پیہم کرو' بلاناغہ کرو۔

کوک فریدا کوک توں' راکھا جویں جوار
جد تک ٹانڈاناں ڈگے' تو کردا رہ پکار

ان تین باتوں کو پلے باندھو۔

1۔ ذکر لوجہ اللہ کرو 2 بلاناغہ کرو۔ 3 اہل ذکر کی صحبت اختیار کرو۔

ان تین باتوں پر اگر تو عمل پیرا ہو جائے تو میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جاں ہے کہ تجھ پر انوار الہی کی بوچھاڑ ہو اور فیضان رحمت تیری رگ رگ اور نس نس کو سیراب کرے' تمہارے دامن کے سب داغوں کو دھوڈالنے کے لئے اس فیضان کا ایک چھینٹا ہی بس کرتا ہے۔

تشکیک کا علاج

بعض لوگوں کو مابعد الطبیعاتی حقائق کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ وحی و تنزل کی حقیقت کیا ہے؟ ملائکہ کا وجود ہے بھی کہ نہیں؟ خدا غیر مرئی' ملائکہ غیر مرئی' وحی کا نزول غیر مرئی' خدا حواس کی گرفت میں نہ آسکے۔

لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار (۶ ۔ ۱۰۳)

ملائکہ حواس کی گرفت میں نہ آسکیں' وحی کا نزول دکھائی نہ دے' عقل اپنا مواد حواس ہی کے ذریعے اکٹھا کرتی ہے۔ جو بات حواس کی گرفت میں نہ آسکے عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ عقل جب ان حقائق کا ادراک نہیں کر سکتی' تو وہ متشکک ہو جاتی ہے اور وہ باتیں جو ماوراء عقل ہیں' انسان انہیں خلاف عقل سمجھ بیٹھتا ہے۔ تشکیک کی بیماری میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ روح کا کوئی مستقل بالذات وجود ہے یا وہ مادے ہی کا خاصہ ہے اور جوہر حیات کے سوا کچھ نہیں اور جب روح کا کوئی مستقل بالذات وجود نہیں' تو حیات بعد الممات کس سے عبارت ہے؟ تشکیک میں یہ وسوسہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ شکوک و شبہات جو ذہن میں ابھرتے ہیں ان کا باعث ذہانت اور عقل کی براقی ہوتی ہے۔ انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ میری ذہنی سطح عام انسانوں سے بلند تر ہے۔ اس لئے یہ خیالات میرے ذہن میں آتے ہیں۔ اگر آپ بات کا تجزیہ و تحلیل کریں' تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ محض روح کے کثیف ہو جانے سے اور روح میں ناسوتی خواص پیدا ہو جانے سے مابعد الطبیعاتی حقائق کے بارے میں انسان متشکک ہو جاتا ہے اس میں ذہانت و عبقریت کی کوئی بات نہیں۔ زمانہ جاہلیت کے بدو بھی کہا کرتے تھے۔

ءاذا متنا ترابا وعظاما انا لمبعوثون (۲۳۔ ۸۳)

کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک ہو گئے ہوں گے اور ہڈیاں باقی رہ گئی ہوں گی' کیا ہمیں اٹھا دیا جائے گا۔

اور جیسا کہ ایک جاہلی شاعر نے کہا ہے

اموت ثم بعث' ثم نشر حدیث خرافہ یا ام عمرو

کیا ہم مرجائیں گے پھر ہمیں اٹھا دیا جائے گا اور ہمارا حساب کتاب ہو گا۔ یہ سب خرافات ہے میری محبوبہ

عقل سرکش ہے وہ دلائل سے تو ان حقائق کو ماننے والی نہیں۔ وہ ہر دلیل کو کاٹ ڈالتی ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

ہیں نے عرض کیا کہ یہ حقیقتیں عقل سے ماوراء ہیں۔ عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے اور اگر عقل کبھی زور دلائل سے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیتی ہے تو یہ اس کی عبادت کی دلیل ہے اب سوال یہ ہے کہ پھر تشکیک کا علاج کیا ہے اور یقین و اذعان کی دولت سے کیونکر بہرہ یاب ہوں۔

عامۃ المسلمین کو تو یقین و اذعان وجدانی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ اگر ایک بار عقائد کی چولیں ڈھیلی ہو جائیں اور شکوک و شبہات کے کانٹوں کی چبھن محسوس ہونے لگے تو تشفی مشاہدے کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ مشاہدہ ہر چند جزئی ہوتا ہے لیکن جز کل پر دلالت کناں ہوتا ہے اور مشاہدے کے لئے ذکر الٰہی سے بہتر کوئی راہ نہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کہا۔

ولا افضل من الذکر باعتبار تطلع النفس الی الجبروت

عالم علوی سے آگہی حاصل کرنے کا ذریعہ ذکر الٰہی سے بہتر کوئی نہیں۔

ذکر الٰہی سے مابعد الطبیعیاتی حقائق کا منکشف ہونا خود احادیث سے ثابت ہے

عن ابی سعید الخدریؓ ان اسید بن حضیر قال بینما ھو یقرا من اللیل سورۃ البقرۃ وفرسہ مربوطہ عندہ اذا جالت الفرس فسکت فسکنت فقرا فجالت فسکت فسکنت ثم قرا فجالت الفرس

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اسید بن حضیرؓ رات کے وقت سورہ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا۔ گھوڑا یکایک بدکا تو آپ چپ ہو گئے۔ تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ آپ پھر تلاوت کرنے لگے تو گھوڑا پھر بدکا آپ چپ ہو گئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ آپ نے پھر تلاوت کی تو گھوڑا پھر بدک اٹھا۔

حضرت اسیدؓ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا

فاذا مثل الظلہ فیھا امثال المصابیح

تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سائبان سا ہے جس میں چراغ سے جل رہے ہیں۔
صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا
تدری ماذاک (تمہیں خبر ہے کہ یہ کیا تھا)

تلک الملکہ وانت لصوتک ولو قرات لا صبحت ینظر الناس الیھا لا تتواری منھم (متفق علیہ)

"یہ فرشتے تھے جو تیری آواز سن کر قریب آ گئے تھے اور اگر تو تلاوت جاری رکھتا تو انہیں تیری آواز نے ایسا جذب کیا تھا کہ وہ واپس نہ جاسکتے اور صبح کے وقت لوگ انہیں دیکھتے اور وہ فرشتے ان سے چھپ نہ سکتے"

یہ حدیث اس پر حجت قاطعہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید جو بحکم انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون بدرجہ اولی ذکر الٰہی ہے مشاہدہ ملائکہ کا باعث ہوئی پھر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے اس کی اور بھی تائید ہوتی ہے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھے مل گئے۔ میں نے کہا

نافق حنظلہ "حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے "حنظلہ تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟" میں نے کہا ہم بارگاہ رسالت میں ہوتے ہیں تو ہماری یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہم جنت و دوزخ کا گویا آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ کی مجلس سے باہر آتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں اور دنیوی دھندوں میں لگ جاتے ہیں اور وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یہ حالت تو مجھے بھی پیش آتی ہے' دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی کیفیت بیان کی' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

والذی نفسی بیدہ لو تدومون علی ما تکونون عندی و فی الذکر لصافحتکم الملائکہ علی فرشکم وفی طرقکم ولکن یا حنظلہ ساعہ وساعہ (مسلم)

میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر تم مسلسل ذکر کرو

اور پیہم تم پر وہ کیفیت طاری رہے جو میری مجلس میں تم پر طاری ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہاری راہوں میں (ادبا" و احتراما") تم سے مصافحے کریں، لیکن اے حنظلہ! کبھی یہ کیفیت ہے اور کبھی وہ کیفیت ہے۔

در بزم میش یک دو قدح نوش کن برو
یعنی طمع مدار وصال دوام را

عالم ملکوت و لاہوت کا مشاہدہ نہ سہی اگر محض سفلی ارواح ہی کا مشاہدہ ہو جائے تو ایک سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان کو یہ بصیرت و یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ روح جسم سے ہٹ کر مستقل وجود رکھتی ہے اور یہ عقل ہی کی درماندگی تھی کہ وہ اس بات کے ادراک سے قاصر رہی کہ روح اپنے وجود اور بقا کے لئے جسم کا احتیاج نہیں رکھتی، محض سفلی ارواح کے مشاہدے سے وہ یہ نتیجہ مرتب کرتا ہے کہ وہ اللہ جس نے اس کائنات میں تقابلی رنگ بھرے ہیں۔ رات کے ساتھ دن بنایا ہے، اندھیرے کے ساتھ اجالا پیدا کیا اور خیر کے ساتھ شر کی تخلیق کی، ناگریز ہے کہ اس نے سفلی اور خبیث ارواح کے مقابل ملائکہ اور ارواح طیبہ کو بھی پیدا کیا ہو۔ حیات بعد الممات کے بارے میں سب سے بڑا اشکال تو یہی تھا کہ جسم فنا ہو جانے کے بعد روح کا زندہ رہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب ارواح کی زندگی کا شعور حاصل ہو گیا تو ان پر عذاب و ثواب کا مرتب ہونا آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ یوں محض سفلی ارواح کا مشاہدہ روح، ملائکہ حیات بعد الممات پر ایمان کا باعث ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں تو برٹرنڈ رسل اور اس کی ذریت کے نظریات و افکار کا بودا پن تو انسان پر کھل ہی جاتا ہے۔

ایک بات اور محل نظر ہے، مجرد عقل تو ذکر کی قائل ہی نہیں ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہے محض کسی نام کی تکرار سے اور ہونٹوں کی جنبش سے کیا ہوتا ہے۔ اسے ذکر پر آمادہ کیسے کریں؟ عقل کو یہ سمجھائیے کہ جہاں حقیقت کی تلاش میں اتنے پاپڑ بیلے ہیں، اتنی وادیوں کی خاک چھانی ہے، اتنی ضخیم کتابوں کو کھنگالا ہے، اگر یہ سچ ہے کہ تو حقیقت کی متلاشی ہے اور محض بندھنوں اور قدغنوں سے گریز کی راہ نہیں ڈھونڈ رہی ہے تو یہ بھی ایک راستہ ہے جس پر

لاکھوں انسانوں نے چل کر حقیقت کا سراغ پانے کا دعویٰ کیا۔ ایک عقلیت پسند (RATIONALIST) استقرائی منطق (INDUCTIVE LOGIC) کو تو مانتا ہے۔ خود عقلیت پسندی کے اصول اسے یہ اجازت نہیں دیتے کہ وہ لاکھوں انسانوں کے تجربات و مشاہدات کو بیک جنبش قلم اپنے کمرے میں بیٹھ کر جھٹلا دے۔ ایک عقلیت پسند کے لئے واجب ہے کہ وہ کس بات پر رد و قبول سے پہلے اس موضوع پر تمام مواد (DATA) اکٹھا کرے وہ مالہ اور ما علیہ کو جانچے جب تک وہ مالہ اور ما علیہ کو جانچ نہیں لیتا ہے اس کے لئے زیبا نہیں کہ وہ کوئی رائے قائم کرے۔ وہ راستہ جس پر چل کر لاکھوں ذہین و فطین انسانوں نے یقین و اذعان حاصل کیا۔ اس کے وجود سے بلا تحقیق انکار نہ کر۔ وہ راستہ جس پر چل کر امام غزالیؒ ایسے نابغہ' مولائے رومؒ ایسے عبقری نے مابعد الطبیعیاتی حقائق کی معرفت حاصل کی اور تشکیک سے نجات پاگئے تو اس راستے پر دو چار قدم چل کے تو دیکھ۔ عالم ارواح کی ہلکی سی جھلک مابعد الطبیعیاتی حقائق پر ایمان لانے کے لئے تجھے بس کرتی ہے۔ عین اس وقت جب کہ تمہارا ذہن ان حقائق کے بارے میں متردد ہو گا' یہ مشاہدات عقل کی ساری ہرزہ سرائی کو ختم کر دیں گے۔

رخ کشود ندو لب ہرزہ سرایم بستند

دل ربودند دو چشم نگرانم دادند

"میں اس کے وجود کے بارے میں واہی تباہی بک رہا تھا کہ اس نے چہرے کی جھلک دکھا کر میرے ہونٹوں کو سی دیا ہے۔ اس نے دل چھین لیا (جھلک دکھا کر) اور دو آنکھیں بخشیں جو ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھ رہی ہیں)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مس امینہ

میرے والدین پروٹسٹنٹ عیسائی تھے اور ننھیال و ددھیال دونوں طرف مذہب کا بڑا چرچا تھا۔ ہائی سکول کی تعلیم ختم ہوئی تو میری شادی ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی میں ماڈلنگ کے پیشے سے منسلک ہو گئی۔ خدا نے مجھے اچھی شخصیت عطا کی تھی اور میں خوب محنت کرتی تھی اس لئے میرا کاروبار خوب چمکا تو پیسے کی ریل پیل ہو گئی۔ شوفر' بہترین گاڑیاں' غرض آسائش کا ہر سامان میسر تھا۔ حالت یہ تھی کہ بعض اوقات ایک جوتا خریدنے کے لئے میں ہوائی سفر کر کے دوسرے شہر جاتی تھی۔ اسی دوران میں ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں بھی بن گئی۔ مگر سچی بات ہے کہ ہر طرح کے آرام و راحت کے باوجود دل مطمئن نہ تھا۔ بے سکونی اور اداسی' جان کا گویا مستقل آزار بن گئی تھی اور زندگی میں کوئی زبردست خلا محسوس ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے ماڈلنگ کا پیشہ ترک کر دیا۔ اور دوبارہ مذہبی زندگی اختیار کر لی اور مختلف تعلیمی اداروں میں مذہبی تبلیغ کی رضاکارانہ خدمات انجام دینے لگی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے مزید تعلیم کے لئے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ خیال تھا کہ اس بہانے شاید روح کو کچھ سکون ملے گا۔ اس وقت میری عمر تیس برس تھی۔ اسے میری خوش قسمتی ہی کہیے کہ مجھے ایک ایسی کلاس میں داخلہ مل گیا جس میں سیاہ فام اور ایشیائی طالب علموں کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ بڑی پریشانی ہوئی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مزید گھٹن یہ دیکھ کر محسوس ہوئی کہ ان میں خاصے لوگ مسلمان تھے اور مجھے مسلمانوں سے انتہائی نفرت تھی۔ میرے نزدیک یورپی سوچ کی طرح اسلام وحشت و جہالت کا مذہب تھا اور مسلمان غیر مہذب' عیاش' عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفوں کو زندہ جلا دینے والے لوگ تھے۔ امریکہ اور یورپ کے عام مصنفین اور مورخ یہی کچھ لکھتے آ رہے ہیں۔ بہرحال شدید ذہنی کوفت کے ساتھ تعلیم شروع کی۔ پھر اپنے آپ کو سمجھایا کہ میں ایک مشنری ہوں کیا عجب کہ خدا نے مجھے ان کافروں کی اصلاح کے لئے یہاں بھیجا ہو' اس لئے مجھے پریشان نہیں ہونا چاہئے چنانچہ میں نے صورت حال کا

جائزہ لینا شروع کیا تو حیرت میں مبتلا ہو گئی کہ مسلمان طالب علموں کا رویہ دیگر سیاہ فام نوجوانوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ شائستہ' مہذب اور باوقار تھے۔ وہ عام امریکی نوجوانوں کے برعکس لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہ کرتے۔ نہ آوارگی اور عیش پسندی کے رسیا تھے۔ میں تبلیغی جذبے کے تحت ان سے بات کرتی۔ ان کے سامنے عیسائیت کی خوبیاں بیان کرتی تو وہ بڑے وقار اور احترام سے ملتے اور بحث میں الجھنے کی بجائے مسکرا کر خاموش ہو جاتے۔

میں نے اپنی کوششوں کو یوں بیکار جاتے دیکھا تو سوچا کہ اسلام کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ اس کے نقائص و تضادات سے آگاہ ہو کر طالب علموں کو زچ کر سکوں' مگر دل کے گوشے میں یہ احساس بھی تھا کہ عیسائی پادری' مضمون نگار اور مورخ تو مسلمانوں کو وحشی' گنوار' جاہل اور نہ جانے کن کن برائیوں کا مرقع بتاتے ہیں لیکن امریکن معاشرت میں پلنے بڑھنے والے ان سیاہ فام مسلمان نوجوانوں میں تو ایسی کوئی برائی نظر نہیں آتی بلکہ یہ باقی سب طلبہ سے مختلف و منفرد پاکیزہ رویئے کے حامل ہیں پھر کیوں نہ خود اسلام کا مطالعہ کروں اور حقیقت حال سے آگاہی حاصل کروں۔

چنانچہ اس مقصد کی خاطر میں نے سب سے پہلے قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ کتاب دل کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی اپیل کرتی ہے عیسائیت پر غور و فکر کے دوران میں اور مطالعہ بائبل کے نتیجے میں ذہن میں کتنے ہی سوال پیدا ہوتے تھے' مگر کسی پادری یا دانشور کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا اور یہی تشنگی روح کے لئے مستقل روگ بن گئی تھی۔ مگر قرآن پڑھا تو ان سارے سوالوں کے ایسے جواب مل گئے جو عقل اور شعور کے عین مطابق تھے۔ مزید اطمینان کے لئے اپنے کلاس فیلو مسلمان نوجوانوں سے گفتگوئیں کیں اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرا نقطہ نظر صریحاً بے انصافی اور جہالت پر مبنی تھا۔

مزید اطمینان کی خاطر میں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا تو یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ امریکی مصنفین کے پروپیگنڈہ کے بالکل برعکس حضور ﷺ بنی نوع انسان کے عظیم محسن اور سچے خیر خواہ ہیں' خصوصاً انہوں نے عورت کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا

اس کی پہلے یا بعد میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے۔ ورنہ میں طبعاً" بہت شرمیلی ہوں اور خاوند کے
کسی مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ جب میں نے پڑھا کہ حضور ﷺ خود بھی بے
حیادار تھے اور خصوصاً" عورتوں کے لئے عفت و پاکیزگی اور حیا کی تاکید کرتے رہے تو میں بہت
ہوئی اور اسے عورت کی ضرورت اور نفسیات کے عین مطابق پایا۔ پھر حضور ﷺ نے عورت کا
درجہ جس قدر بلند کیا اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ "جنت ماں کے قدموں میں ہے" اور آپ
ﷺ کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ "عورت نازک آب گینے کی طرح ہے اور تم میں سب
سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے"

قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے میں مطمئن ہو گئی اور تاریخ اسلام کے مطالعے
اور اپنے مسلمان کلاس فیلو نوجوانوں کے کردار نے مسلمانوں کے بارے میں میری ساری غلط فہمیوں
کو دور کر دیا اور میرے ضمیر کو میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تو میں نے اسلام قبول
کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا ذکر میں نے متذکرہ طالب علموں سے کیا تو وہ 21 مئی 77ء کو میرے پاس
چار ذمہ دار مسلمانوں کو لے آئے۔ ان میں سے ایک ڈینور کی مسجد کے امام صاحب تھے۔ چنانچہ میں
نے ان سے چند مزید سوالات کیے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔

میرے قبول اسلام پر سارے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی۔ ہمارے میاں بیوی کے تعلقات
واقعی مثالی تھے اور میرا شوہر مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا مگر میرے قبول اسلام کا سن کر اسے غیر
معمولی صدمہ ہوا۔ میں اسے پہلے بھی قائل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اور اب پھر سمجھانے کی
بہت سعی کی، مگر اس کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہ ہوا اور اس نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی اور میرے
خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ عارضی طور پر دونوں بچوں کی پرورش میری ذمہ داری قرار
پائی۔

میرے والد بھی مجھ سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے مگر اس خبر سے وہ بے حد برافروختہ
ہوئے اور غصے میں ڈبل بیرل شاٹ گن لے کر میرے گھر آ گئے تاکہ مجھے قتل کر ڈالیں، مگر خدا کا شکر

ہے کہ میں بچ گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر کے چلے گئے۔

میری بڑی بہن ماہر نفسیات تھی۔ اس نے اعلان کر دیا کہ یہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس نے سنجیدگی سے مجھے نفسیاتی انسٹی ٹیوٹ میں داخل کرانے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی میں نے معاشی ضرورتوں کے پیش نظر ایک دفتر میں ملازمت حاصل کر لی' لیکن ایک روز میری گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اور تھوڑی سی تاخیر ہو گئی تو مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا۔ فرم والوں کے نزدیک میرا اصل جرم یہی تھا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی حالت یہ تھی کہ میرا ایک بچہ پیدائشی طور پر معذور تھا۔ وہ دماغی طور پر بھی نارمل نہ تھا اور اس کی عام صحت بھی ٹھیک نہ تھی جب کہ بچوں کی تحویل اور طلاق کے مقدمے کے باعث امریکی قانون کی رو سے فیصلہ ہونے تک میری ساری جمع پونجی منجمد کر دی گئی۔ ملازمت بھی ختم ہوئی تو میں بہت گھبرائی اور بے اختیار رب جلیل کے حضور سربسجود ہو گئی اور گڑگڑا کر خوب دعائیں کیں۔ اللہ کریم نے میری دعائیں قبول فرمالیں اور دوسرے ہی روز میری ایک جاننے والی خاتون کی کوشش سے مجھے ایسٹر سیل پروگرام میں ملازمت مل گئی اور میرے معذور بچے کا علاج بھی بلا معاوضہ ہونے لگا۔ ڈاکٹروں نے اپریشن کا فیصلہ کر لیا اور اللہ کے خاص فضل سے اپریشن کامیاب رہا۔ بچہ تندرست ہو گیا اور میری جان میں جان آئی۔ لیکن ابھی آزمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا۔ عدالت میں بچوں کی تحویل کا مقدمہ دو سال سے چل رہا تھا۔ آخر کار دنیا کے اس سب سے بڑے "جمہوری ملک کی" عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ اگر بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہو تو اسلام سے دست بردار ہونا پڑے گا کہ اس قدامت پرست مذہب کی وجہ سے بچوں کا اخلاق خراب ہو گا اور تہذیبی اعتبار سے انہیں نقصان پہنچے گا۔

عدالت کا یہ فیصلہ میرے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرا۔ ایک مرتبہ تو میں چکرا کر رہ گئی' زمین اور آسمان گھومتے ہوئے نظر آئے مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس کی رحمت نے مجھے تھام لیا اور میں نے دو ٹوک انداز میں عدالت سے کہہ دیا کہ میں اپنے بچوں سے جدائی گوارا کر لوں گی مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے دستبردار نہیں ہو سکتی' چنانچہ بچی اور بچہ دونوں باپ کی تحویل میں دے دیے گئے۔

اس کے بعد ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے اپنا تعلق گہرا کر
اور تبلیغ دین میں منہمک ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری محرومیوں کے باوجود میں ایک خاص قسم ک
سکون اور اطمینان سے سرشار رہی۔

ایک زمانہ تھا کہ میں اتوار کا دن آرام کرنے کے بجائے کسی سنڈے اسکول میں بچوں ک
عیسائیت کے اسباق پڑھاتی تھی' آج اللہ کے کرم سے میں اتوار کا دن اسلامک سینٹروں میں گزار
ہوں۔ اور وہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھاتی ہوں۔

یہ بھی اللہ کی ہی توفیق سے ہے کہ میں نے مختلف مقامات پر مسلم وومن اسٹڈی سرکل قائ
کئے ہیں جن میں غیر مسلم خواتین بھی آجاتی ہیں۔ میں انہیں بتاتی ہوں کہ اسی امریکہ میں آج س
ڈیڑھ سو برس پہلے عورتوں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی اور ایک عورت کو گھوڑے سے بھ
کم قیمت پر یعنی ڈیڑھ سو روپے میں خریدا جاسکتا تھا۔ بعد کے ادوار میں بھی عورت کو باپ یا شوہر کی
جائیداد میں کوئی حصہ نہ ملتا تھا حتیٰ کہ اگر وہ شادی کے موقع پر ایک لاکھ ڈالر شوہر کے گھر میں لے کر
جاتی اور چند ہی ماہ بعد اسے طلاق حاصل کرنا پڑتی تو وہ ساری رقم شوہر کی ملکیت قرار پاتی تھی' جب
کہ اسلام آج سے چودہ سو برس پہلے سے عورت کے حقوق کی آواز لگا رہا ہے اور اس اعزاز کی تو
کہیں ادنیٰ سی بھی مثال نہیں ملتی کہ ماں کے قدموں میں جنت قرار دی گئی ہے اور باپ کے مقابلے
میں اسے تین گنا واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے۔

جب میں یہ تقابلی موازنہ کرتی ہوں تو امریکی عورتوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں۔ وہ
تحقیق کرتی ہیں' مطالعہ کرتی ہیں اور جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ میں صحیح بات کرتی ہوں اور
واقعتاً" اسلام نے عورت کو غیر معمولی حقوق و احترام عطا کئے ہیں تو وہ اسلام قبول کر لیتی ہیں۔ چنانچہ
اللہ کا شکر ہے کہ میری باتوں سے متاثر ہو کر اب تک تقریباً" چھ سو امریکی خواتین دائرہ اسلام میں
داخل ہو چکی ہیں۔ (بحوالہ! ہم کیوں مسلمان ہوئے)

قرآن پاک کا موضوع

قرآن پاک انسانوں کے لئے ہدایت کی کتاب ہے۔ اس لئے اس کا موضوع تو انسان ہے کہ انسان اپنی زندگی کو بہتر کیسے بنا سکتا ہے اور اگر وہ یہاں اپنی زندگی کو بہتر بنا لے تو انشاء اللہ موت کے بعد وہ ترقی کے درجات طے کرتا چلا جائے گا اور اگر وہ اس دنیا میں اپنی زندگی خراب کرلے تو یہاں بھی اس کے لئے خرابی ہے اور موت کے بعد بھی۔

انسان کی زندگی بہتر اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو۔ اس لئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی شان اور ان کی صفات کا مفصل بیان ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانے' ان سے محبت کرے اور ان کی اطاعت سے اپنی حالت بہتر بنائے۔ پیغمبروں کا بیان ہے کہ انہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کی کتب نازل فرمائیں۔ علاوہ ازیں وہ برتر انسانی زندگی کا نمونہ ہیں۔ یہ بھی انہی سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیسے ہو؟ چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا کہ جس نے جناب رسول پاک ﷺ کی اطاعت کی' اس نے یقیناً" اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ جنت اور دوزخ کا بیان بھی ہے تاکہ پتہ چلے کہ اچھے اور برے اعمال کے نتائج کیا ہونگے۔

کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اس پر غور و فکر سے اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔ علامہ اقبال اپنے مشہور انگریزی خطبات میں رقم طراز ہیں کہ کائنات میں غور و فکر کرنے والا سائنس دان بھی ایک طرح سے عبادت کرنے والے صوفی کی مانند ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے اس لئے کائنات کی قوتوں کو مسخر کرنا انسانی فریضہ ہے اور کائنات کو جانے بغیر اس کی قوتوں کو مسخر نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن پاک میں جگہ جگہ کائنات کے بارے میں غور و فکر کی دعوت ہے۔

کائنات اللہ تعالیٰ کی بہت زبردست اور شاندار تخلیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تخلیق کائنات کے مراحل بیان فرمائے ہیں۔ اس کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں اور اس سے یہ نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ جو چیز اتنی محبت اور حکمت سے بنائی گئی ہے' وہ بے مقصد نہیں ہو سکتی۔ ساری کائنات میں ایک ہی جیسے قوانین کار فرما ہونے کو اپنی توحید کی دلیل کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

خالق اپنی تخلیق کی ایک ایک خوبی سے آگاہ ہوتا ہے۔ دوسرے بڑی مشکل اور کوشش سے اس تخلیق کی خوبیاں سمجھتے ہیں۔ پھر بھی پوری طرح سمجھ نہیں پاتے۔ اللہ پاک نے قرآن پاک میں جو رموز کائنات اب سے چودہ سو برس پہلے بیان کر دیئے ہیں ان میں سے بعض تک سائنس دان اب صدیوں کی محنت اور کوشش کے بعد پہنچ پائے ہیں۔ یہ قرآن پاک کے منجانب اللہ کے ہونے کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ انہیں لوگوں کے سامنے لانے سے قرآن پاک پر ایمان اور مستحکم ہوتا ہے۔ صرف اتنا خیال رکھنا چاہئے کہ سائنس کے نظریات حرف آخر نہیں۔ اگر اس کا کوئی موجودہ نظریہ قرآن پاک کے مطابق نہ ہو' تو قرآن پاک کے الفاظ کو کھینچ تان کر اس سائنسی نظریئے کے مطابق کرنے کی بجائے یہ سمجھنا چاہئے کہ ابھی سائنس کی تحقیق ادھوری ہے۔ (بحوالہ نوائے وقت)

پاکستان اور روحانی جمہوریت

(کے ایم اعظم)

اس اسلامی اعلامیہ کا پہلا مقصد تو یہ ہے کہ ان خیالات کو جو اس میں قلمبند کئے گئے ہیں' ملت کے دانشوروں کے سامنے رکھا جائے تاکہ وہ اس کا تنقیدی جائزہ لے کر ایک حتمی اعلامیہ کو تیار کرنے میں ہماری مدد کریں' جس کی بناء پر ہم قوم کے سوئے ہوئے اور جاگتے افراد کو ان کی خواب گراں سے قطعی طور پر جگا دیں۔ کیونکہ جاگتوں کو جگانا ایک صبر آزما کام ہوتا ہے۔

ہماری قوم' پریشان خیالی' ژولیدہ فکری اور مسخ شدہ عقائد کا شکار ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ضرورت تو اس بات کی ہے کہ قوم کو صحیح فکر کی راہ پر گامزن کیا جائے۔ مگر ایسا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ صدیوں پر محیط ملوکیت اور سامراجی تسلط نے مسلمانوں کو ذہنی غلامی اور فکری جمود میں اسیر کر رکھا ہے اور وہ اس کی زنجیروں سے ابھی تک پورے طور پر آزاد نہیں ہو پائے۔ صدیوں کی سیاسی غلامی سے ہماری قومی خوداعتمادی' اخلاقی قوت اور اجتماعی مورال کو پامال کر دیا ہے۔ ہم میں روحانی بصیرت باقی رہی نہ ہی حریت فکر۔ چنانچہ پوری کی پوری قوم یا تو اسلاف کی نقالی میں مگن ہے یا پھر مغربی افکار کو اپنا کے مغرب کی متعین کردہ راہوں پر گامزن ہے۔ ہمارے لئے سوچنے کا مقام یہ ہے کہ کسی طرح قوم کو اس کی خواب گراں سے جھنجھوڑ کر اسلامی تعمیر نو کی راہ پر گامزن کر دیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے یہ بات ابھر کے سامنے آتی ہے کہ ہم اپنی قوم کے ناقص فہم دین اور ان کے قبلہ کی نادرستگی کا ادراک کریں۔

علامہ اقبال کو یہ احساس پژمردہ کئے رکھتا تھا کہ مسلمانوں کی اس مملکت میں' جس کا خواب انہوں نے قوم کو 1930ء میں دکھایا تھا' اسلام کا نقشہ کیا ہو گا اور عہد جدید میں صحیح نظام اسلام کے قیام میں جو گھمبیر مسائل درپیش ہی ان کا حل کیا ہو گا۔ وہ ہمارے علماء اور فقہا کی علمی اور فکری استطاعت سے غیر مطمئن تھے اور وہ علماء کے ایسے روشن خیال گروہ کی تلاش میں تھے جو مسلمانوں کی کھوئی ہوئی حکمت کو حاصل کر کے ایک بار پھر امہ کو پیش کر دیں اور جو دور جدید کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعبیر پیش کر سکیں۔ انہیں افسوس تھا کہ مسلمان قرآن کی جدیدیت سے ناآشنا ہیں' ان کا خیال تھا کہ اس نئی مملکت میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے علاوہ اسلام کو' اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں' اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن' شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے اور اس عالمگیر نصب العین کی طرف پیش رفت کر سکے جو اس کا مقدر ہے۔ اس کام کی وسعت اور اس کی راہ میں جو مشکلات درپیش ہوں گی' ان کا انہیں پورا احساس تھا اسی لئے ان کا خیال تھا اس کام کی تکمیل کے لئے کم از کم ایک صدی درکار ہو گی۔

(بحوالہ خطبہ الہ آباد)

پچھلی صدی کے اواخر اور اس صدی کے اوائل میں ہمارے آباؤ اجداد اور سیاسی و دینی رہنماؤں پر مغربی ترقی و تسلط کا رعب اس قدر تھا کہ وہ اپنی سیاسی نجات کے لئے بھی مغربی طریق کار کو اپنائے ہوئے تھے۔ وہ مغربی انداز فکر بالخصوص Destut Tracy کے نظریہ آئیڈیالوجی سے بہت متاثر تھے۔ جس کے تحت افراد کی تھوڑی سی تعداد نے مختصر سے عرصے میں پورے ملکوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ یہ مغربی ترقی و تسلط کا اثر تھا کہ ہمارے سیاسی'

علمی اور دینی زعما نے مغربی نظام فکر کو تقریباً" کلی طور پر اپنا لیا' یہاں تک کہ تاویل کے ذریعے قرآن کے ابدی پیغام کو بھی مغربی فکر کے ہم آہنگ کرنے کی مسلسل کوششیں کی گئیں۔ مختلف زعماء کے طریق کار میں فرق بھی مغرب کی نسبت ہی سے تھا' جو انگریزوں سے متاثر تھے وہ جمہوریت کے علمبردار بن گئے' جو جرمنی سے مرعوب تھے انہوں نے فاشزم کا انداز اپنا لیا اور جو روس کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے تھے انہوں نے اشتراکی فکر کو اپنا لیا۔

مغرب کے سامراجی غلبہ کے تحت ہم نے زندگی کے ہر شعبہ میں مغربی انداز فکر کو قبول کر لیا' جس کے تحت روحانی ترقی کو پس پشت ڈال کر ہم نے مادی ترقی کو ہی مطمح نظر بنا لیا۔ اس نظریاتی تغیر نے ہماری قومی زندگی پر بہت دور رس نتائج مرتب کئے۔ مثلاً" یہ کہ غلبہ طاقت سے حاصل کیا جاتا ہے نہ کہ اخلاق سے۔ نتیجتاً" ہماری قوم کی توجہ شخصیت سازی کے اسلامی طریق کار سے ہٹ کر مغربی نظریات' ابلاغیات' عوامی تحریکوں پر مرکوز ہو گئی اور ہمارا مطمح نظر ووٹوں کا حصول جا ٹھہرا۔ شمع سے شمع جلانے کا قدیم فن ختم ہو گیا۔ اور ہمارے دینی زعما اس سوچ کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے جس کے دبانے سے ساری کی ساری بتیاں یکلخت جل اٹھیں۔ اس دنیاوی کشاکش میں وہ اپنے اندر کی بتی بھی جلانا بھول گئے نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے دینی زعما کو باہر کی دنیا تو نہ ملی مگر ان کے اندر کی دنیا بھی برباد ہو کر رہ گئی۔ ہم خارج میں اتنا گم ہوئے کہ اندر کے انسان کو بھول گئے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس صدری کے دوران غلبہ اسلام کے نام پر اٹھنے والی کوئی جماعت کسی بھی مسلمان ملک میں کامیاب نہیں ہوئی۔ ان کی ناکامی کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اپنے سیاسی پروگرام تشکیل دیتے وقت وہ اہداف اور اسباب میں تمیز کرنے سے قاصر رہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم نے مغرب کے مادی اہداف' (مادی ترقی' عسکری نظم و ضبط' غلبہ بالقوہ) کو تو اپنا لیا مگر خود انگریز نہ بن سکے۔ مجھے تو اس بات کی بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ غلبہ اسلام کے بلند بانگ نعروں کے تحت ہم اس لئے پژمردہ ہیں کہ ہم انگریز نہ بن سکے یا اس لئے کہ ہم اللہ والے نہ بن سکے۔ بہرحال جب ہمارے زعماء اللہ والے نہ بن سکے تو عوام خاک اللہ والے بنیں گے۔ دراصل ہم اسلام کے ساتھ فراڈ کرنے میں اتنے ملوث ہو چکے ہیں کہ ہم خوارج کے معاملات کے متعلق بھی صحیح طور پر سوچنے سے قاصر ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے نظام فکر کو صحیح لائنوں پر استوار کریں۔ اس سلسلے میں جس شے کا ہمیں سب سے پہلے فیصلہ کرنا ہو گا وہ یہ ہے کہ آیا ہمارا مطمح نظر فقط اسلام ہے یا فقط مسلمان یا پھر دونوں پہلے اختیار میں مسلمانوں کو اسلام پر قربان کر دیا جائے جب کہ دوسرے اختیار میں مسلمانوں کی خاطر اسلام کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ بے شک تیسرا اختیار ہی ہمارا مطمح نظر ہونا چاہئے جس کے تحت اسلامی نظام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہو گا اور مسلمان اسلام کے آفاقی پیغام کے علمبردار' پاکستانی مسلمانوں کا ایک بڑا تضاد یہ ہے کہ چاہتے تو وہ دنیاوی سرفرازی ہیں' مگر جھنڈا اللہ ہی کا اٹھانا چاہتے ہیں اور ہماری یہ مجہول کوشش' دونوں اللہ تعالیٰ اور مغرب کو ہمارا دشمن بنا دیتی ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے معتبر دینی زعما جو عوام کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے نسخے بتاتے ہیں' بذات خود اس فضیلت سے بہرہ مند نہیں۔ ہمارے مغرب زدہ دانشور یہ چاہتے ہیں کہ اوپر سے بے شک ہم مسلمان رہیں مگر اندر سے انگریز بن جائیں۔ کچھ ایسا ہی دور رس مشورہ بھارت کے وزیر اعظم واجپائی نے ہند کے مسلمانوں کو دیا تھا کہ وہ اوپر سے بے شک مسلمان رہیں مگر اندر سے ہندی بن جائیں۔

رجعت پسند مسلمان پیچھے کی طرف اس لئے لوٹنا چاہتے ہیں کہ اس زمانہ میں مسلمان سرفراز تھے نہ کہ اس لئے کہ وہ اللہ والے تھے۔ دراصل زمانے کی ضرورت تو یہ ہے کہ ہم اوپر سے بے شک انگریز بن جائیں مگر اندر سے سچے مسلمان ہوں۔ اگر یہ ضروری ہے کہ ہم اوپر سے بھی مسلمان نظر آئیں تو پھر طرح دار جہاں بان نظر آئیں۔

ہمارے ترک بھائی تو اوپر سے مسلمان نظر آنا بالکل پسند نہیں کرتے گو ان میں سے بیشتر اتا ترک کے دور میں بھی اندر سے سچے مسلمان ہی رہے۔ عملی انداز فکر کے تحت اس صدی میں ترکی نے یہ سبق سیکھا ہے کہ اوپر سے مسلمان نظر آنا قطعاً" فائدہ مند نہیں بلکہ نقصان دہ ہے۔ بے شک اوپر سے (متشدد) مسلمان نظر آنے میں امریکہ بھی ناراض ہوتا اور اللہ بھی۔ مگر باوجود کوشش کے ترک اندر سے انگریز نہ بن سکا۔ وہ رقص گاہ میں تو گیا مگر اپنی غیرت کو دوسرے کے حوالے نہ کر سکا۔ ہمارا ملا تو یہ چاہتا ہے کہ چلو اندر سے مسلمان نہ بھی ہو مگر اوپر سے تو بنو اور جتنا متشدد اور رجعت پسند نظر آؤ فبہا تاکہ چندہ تو وافر مقدار میں جمع ہو۔

پاکستان کو معرض وجود میں آئے نصف صدی بیت چکی ہے۔ اس طویل عرصے میں اسلام کے آفاقی نصب العین کی طرف پیش رفت تو درکنار' ہم نفاذ اسلام کا مرحلہ بھی طے نہ کر پائے۔ چنانچہ ہم دنیا کو یہ بتانے کے بھی قابل نہیں کہ اسلام اقتصادی اور معاشرتی مسائل' جو آج کے انسان کو درپیش ہیں کس طرح حل کرتا ہے۔ عملی مثال کے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی بھی اسلام کے متعلق ہمارے بلند بانگ نعروں پر اعتبار نہیں کرتا۔ آج تو حالات اس ڈگر کو پہنچ گئے ہیں کہ ملک میں دہشت گردی اور قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ مسجدیں تک محفوظ نہیں رہیں اور اسلام وحدت سازی کے اعتبار سے بے اثر ہوتا جا رہا ہے۔ اگر وحدت خیز قوت کی حیثیت سے اسلام پاکستان میں ہی بے اثر ہو گیا تو وہ دنیا میں انسانی اخوت کی ایک عالمگیر تحریک برپا کرنے میں کیا کردار ادا کر سکے گا۔ عمومی طور پر قومیت اور مادیت سے مغلوب مسلمان اسلام کی آفاقیت کو صحیح تناظر میں دیکھنے سے قاصر ہیں اور انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صحیح مسلمان بس ایک روایتی مسلمان ہوتا ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اس پس منظر میں انسان دوستی' احترام آدمیت اور ظلم کے خلاف جہاد کے اسلامی نظریات کا علم اب ان قوموں نے اٹھا لیا ہے جن کی وطنی قومیت اور دہریانہ مادہ پرستی نے دنیا میں ہر سو ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

انسانی وحدت کا مغربی تصور مشترکہ زبان' نسل اور علاقہ پر مبنی ہے جب کہ انسانی وحدت کا اسلامی تصور ایک مشترکہ مطمح نظر ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک اسلام کا سیاسی نصب العین دنیا میں ظلم اور خوف و حزن سے پاک معاشرہ کا قیام ہے۔ ان کے بقول مسلمان قومیت کی بنیاد عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت پر ہے۔ وہ تادم آخر دور حاضر کے تین فتنوں' وطنی قومیت' دین و ریاست کی دوئی اور دہریانہ مادہ پرستی کے خلاف برسرپیکار رہے۔ یہ تینوں فتنے ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ لادینیت ہی مادیت کی اساس ہے اور مادیت کا وطنی قومیت کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مادیت ہی سے غلبہ بالقوہ کا تصور ابھرتا ہے جو تشدد کو جنم دیتا ہے۔ یہ مادی انداز فکر ہی تھا جس کے باعث اللہ کی مخلوق پر اس صدی میں دو خوفناک عالمی جنگیں مسلط کی گئیں۔ جب مادیت زیادہ قوت پکڑتی ہے تو وطن پرستی سے نسل پرستی اور قبیلہ پرستی کی طرف سفر کرتی ہے اور پھر اللہ کی زمین پر ہر طرف فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اور وہ عبادت گاہیں جن میں صبح و شام اللہ کا نام لیا جاتا ہے تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔

علامہ اقبال کی اسلامی بصیرت نے انہیں اس نتیجے پر پہنچایا تھا کہ اسلام ایک عالمی مطمح نظر رکھتا ہے اور اس کا مقصد پوری دنیا میں توحید کی اساس پر ایک ملت آدم کا قیام ہے۔

تفریق ملل' حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

اسی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں

"مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان کوئی معاشرتی دیوار حائل نہیں۔ اگر کوئی یہودی' عیسائی یا زرتشتی کسی مسلمان کا کھانا چھو لے تو وہ نجس نہیں ہو جاتا۔ شریعت اسلامی کی رو سے ان میں باہمی مناکحت جائز ہے۔ حقیقت میں یہ وہ اولین قدم تھا جو اسلام نے عملاً" اتحاد نوع انسانی کی خاطر اٹھایا۔ اس سے اس نے ان لوگوں کو جن کا سیاسی نصب العین ایک ساتھا باہم مل جانے کی دعوت دی۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے اے اہل کتاب آؤ اس بات (توحید) پر اکٹھے ہو جائیں جو ہم اور تم میں مشترک ہے۔ (حرف اقبال)

دراصل توحید ہی اس قوت کا منبع ہے' جس سے اندر کا انسان کارگرو کارساز بنتا ہے۔ یہی ہے دائمی حکمت دین فطرت اور دین حنیفہ' جس کے ازلی پیغام کو اسلام نے از سرنو تازہ و تابندہ کیا ہے۔ ہر ملت کی اپنی ایک شرع اور منہاج ہے مگر توحید کا پیغام آفاقی ہے۔ اس لئے اس پر انسانیت کو رواداری سے جمع کرنا ہمارا مطمع نظر ہونا چاہئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے' ہم نے تم سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے۔ اگر تمہارا اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بھی بنا سکتا تھا' لیکن اس نے یہ اس لئے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے' اسی میں تمہاری آزمائش کرے۔ لٰہذا خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخر کار تم سب نے اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا۔ جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ (5-48)

اپنے آفاقی مطمح کے پیش نظر یہ صرف دین اسلام ہی تو ہے کہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں' خصوصاً" عیسائیوں' یہودیوں اور صابیوں کے لئے بھی نجات کا پیغام دیتا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اسے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی رنج ---- پھر یہ دین اسلام ہی تو ہے کہ جو ایک دوسرے مذہب کی شخصیت کو اعلیٰ ترین مقام تفویض کرتا ہے۔ قرآن حمید دنیا کی عورتوں میں سب سے ارفع حضرت مریمؑ کے لئے مخصوص کرتا ہے۔ قرآن مجید ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے جو کہ اپنے آپ کو فقط اللہ کے سپرد کرنے کا نام ہے۔ اس اطاعت اللہ (اسلام) کے سوا جو کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔ اللہ کی اتنی واضح ہدایت ہونے کے باوجود ہم نے دوسرے مذاہب کے رویوں کے رد عمل میں اپنے دین کے آفاقی پیغام کو پس پشت ڈال دیا۔

"اسلام محض انسانی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے۔ اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد ہے کہ قدیم زمانہ میں دین "قومی" تھا۔ مصریوں' یونانیوں اور ہندیوں کا بعد میں نسلی قرار پایا' جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ عقائد کا نام ہے اس واسطے انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن "سٹیٹ" ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے' نہ نسلی ہے' نہ انفرادی اور پرائیویٹ بلکہ خالصتاً" انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود

تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد اور منظم کرتا ہے" (حرف اقبال)

اپنی وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل حضرت علامہ نے روزنامہ احسان لاہور میں 9 مارچ 1938ء میں ایک مضمون میں فرمایا۔

"نبوت محمدیہ کی غایت الغایات یہ ہے کہ بنی نوع آدم کی اقوام کو باوجود شعوب و قبائل اور الوان والسنہ کے اختلافات تسلیم کر لینے کے بعد ان کو ان تمام آلودگیوں سے منزہ کیا جائے، جو زمان، مکان، وطن و قوم نسل نسب ملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں اور اسی طرح اس پیکر خاکی کو وہ ملکوتی تخیل عطا کیا جائے جو اپنے وقت کے ہر لحظہ میں ابدیت ہمکنار رہتا ہے۔ یہ ہے مقام محمدی ﷺ یہ ہے نصب العین ملت اسلام کا۔ (حرف اقبال)

علامہ اقبال کے نزدیک کافر اور مومن کی پہچان کی کسوٹی ہی یہ ہے کہ جو فرد آفاقی نکتہ نظر رکھتا ہو وہ مومن ہے اور جو رنگ نسل اور قوم کے امتیازات پر اصرار کرتا ہو کافر ہے، اسی لئے آپ نے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمان اپنی سوچ میں عالمی اور آفاقی نقطہ نظر پیدا کریں اپنی ملت میں بھی وہی نقطہ نظر اپنائیں اور عالم انسانیت کو بھی اسی نظر سے دیکھیں۔ ان کی پوری سیاسی فکر کا یہ بنیادی نکتہ ہے کہ وہ داخلی اور خارجی اعتبار سے اسلام کو ایک آفاقی دین اور مسلمان کو مرد آفاقی خیال کرتے ہیں۔

یہ مادہ پرستی کا ہی اثر تھا جس کے تحت انسان نے اللہ تعالیٰ کے روحانی پیغاموں کو بھی قومی اور نسلی بنا کے رکھ دیا تاکہ ان کی اپنی اپنی اجارہ داریاں قائم رہیں۔ خوف خدا کے رخصت ہو جانے سے طمع و لالچ اس قدر بڑھ گئے کہ انسانوں نے انسان کا رزق تک چھین لیا۔ مادہ پرستانہ اور انداز فکر کا غلبہ اس قدر فروغ پذیر ہوا کہ ہر طرف اللہ کی بے بس مخلوق پر جبرو تشدد اور ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی۔ اس اخلاقی انحطاط اور معاشی نفسانفسی کے عالم میں اسلام کا آفاقی پیغام دب کر رہ گیا۔ انسان کا اللہ کے ساتھ رشتہ منقطع ہونے کے باعث انسان کے اندر دلسوزی، درد مندی، انسان دوستی اور غمگساری کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے اور اخلاقی اقدار کی دلوں میں کوئی وقعت باقی نہ رہی۔

یکم جنوری 1938ء کو اپنے انتقال سے چار ماہ پہلے سال نو کے پیغام میں جو آل انڈیا ریڈیو کے لاہور سٹیشن سے نشر کیا گیا، علامہ اقبال نے احترام انسانیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

"دراصل انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے اور جب تک دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو محض احترام انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کر دیں، یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی بنی رہے گی۔ کیا ہم نے نہیں دیکھا، ہسپانیہ کے باشندے ایک نسل، ایک زبان، ایک مذہب اور ایک قوم رکھنے کے باوجود محض اقتصادی مسائل کے اختلاف پر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے تمدن کا نام و نشان مٹا رہے ہیں۔ اس ایک واقعہ سے ظاہر ہے کہ قومی وحدت بھی ہرگز قائم و دائم نہیں، وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے جو رنگ و نسل و زبان سے بالاتر ہے۔ جب تک اس نام نہاد جمہوریت، اس ناپاک قوم پرستی اور اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو مٹایا نہ جائے گا، جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے الخلق عیال اللہ کے اصول کا قائل نہ ہو جائے گا، جب تک جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ و نسل کے اعتبارات کو نہ مٹایا جائے گا، اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح و سعادت کی زندگی بسر نہ کر سکے گا اور اخوت حریت اور مساوات کے شاندار

الفاظ شرمندہ معنی نہ ہوں گے۔ (حرف اقبال)

انسان دوستی کا مسلک علامہ اقبال کے تصور دین کا مرکزی نقطہ ہے اور سب سے زیادہ نمایاں پہلو ہے جو عمر بھر ان کے ذہن پر چھایا رہا بہر حال علامہ اقبال جب اسلام کی آفاقی وسعتوں میں پرواز کرتے ہیں تو اسلام کی مقررہ حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔ بلکہ دینی حدود کی پاسداری اور پاسبانی میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ بے شک انہیں اس بات کا پورا شعور تھا کہ مسلمان شریعت محمدی ﷺ کے پابند رہ کر ہی اپنی شخصیت 'انا کی نشو و نما کر سکتے ہیں اور فکری اور اخلاقی طور پر صحیح مسلمان ہی اسلام کے آفاقی پیغام کی دنیا میں نشر و اشاعت کر سکتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کی فکری کاوش اور جدوجہد ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک خطہ ارضی حاصل کرنے تک محدود نہ تھی بلکہ ان کا مطمع نظر اس خطہ زمین کے ذریعہ اسلام کے آفاقی نصب العین کی طرف پیش قدمی تھا۔

اسلام رنگ و نسل' زبان اور وطنیت کی نفی کر کے توحید کی بناء پر ایک روحانی الذہن قوم کی تشکیل کا خواہاں ہے۔ اسلام کا سیاسی نصب العین یہ ہے کہ دنیا کو توحید کی بناء پر وحدت آدم کا تصور دے کر ایک عالمگیر انسانی برادری قائم کی جائے تاکہ قوموں کے درمیان جنگ و جدل کے لامتناہی سلسلے کو ختم کر کے اس دنیا کو امن و سکون کا گہوارہ بنایا جا سکے۔

اسلام کے تہذیبی لاشعور میں رواداری' وسعت قلبی' عالی حوصلگی جیسی اقدار کی جڑیں بہت گہری ہیں مگر ہمارے روایتی علماء نے اسلام کے عالمگیر پیغام کو یاایھا الناس کے سطح پر آنے سے روک کر یاایھا المومنون تک محدود کر دیا ہے۔ اور دار السلام میں بٹی ہوئی ہے۔ دینی جماعتیں جب سیاسی جماعتیں بن جاتی ہیں تو اپنی اپنی اجارہ داری اور اپنے اپنے مفادات کو عزیز رکھتی ہیں۔ ہمیں ان مفادات سے بالاتر ہو کے فکری وحدت کی طرف گامزن ہونا پڑے گا۔

علامہ اقبالؒ کو بھی اس بات کا پورا احساس تھا کہ جس قوم کو عالمگیر امن و اخوت کے لئے دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دینا ہو' اسے رواداری' وسیع القلبی اور وسعت فکری کی اقدار کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی مذہبی سرحدوں کی حفاظت اور اندرونی استحکام سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ ویسے بھی ایک کمزور آدمی کی رواداری بے معنی ہوتی ہے۔ قومی وطنیت اور سیکولر جمہوریت میں اسلام ایک کمزور عنصر کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ ایسے ملک میں اسلام کے بطور ایک عالمی تحریک ابھرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا اگر پاکستانی قوم اسلام کے عالمگیر مطمح نظر کو اپنا لے اور اس کو اپنے عالمی کردار کا شعور ہو جائے تو وہ اس محرومی اور مایوسی سے جو اس کی پچاس سالوں کی غفلت کی وجہ سے اس پر طاری ہے سے نکل کر ایک روشن اور پر عزم دور میں داخل ہو سکتی ہے۔

اسلام کا بنیادی تصور "الخلق عیال اللہ" ہے اور ہمارا مقصد اس کی اساس پر ایک عالمگیر نظام اخوت کا قیام ہونا چاہئے۔ جس کا دوسرا نام روحانی جمہوریت ہے۔ ایک مثبت اور دیرپا عالمی نظام روحانی جمہوریت پر ہی تشکیل پا سکتا ہے۔ روحانی جمہوریت کا مرکزی ستون توحید ہے۔ یعنی قادر مطلق' حاضر و ناظر اور علیم و بصیر پر یقین محکم۔

تمام افراد معاشرتی اور ثقافتی ماحول میں زندہ رہتے ہیں۔ لوگ ان دونوں عوامل کو صورت پذیر بھی بناتے ہیں اور ان کے پابند بھی ہوتے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ جس کسی معاشرے کے عام حالات اچھے ہوں گے تو اکثر و بیشتر لوگ اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے اچھے کام کریں گے۔ لیکن اگر عام ماحول زوال پذیر ہو

جاتا ہے تو لوگوں کی اکثریت غلط اور برے کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ نفسا نفسی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام رضائے الٰہی اور مقصود ربانی کے حصول کے لئے اسلامی معاشرے کے قیام کو ناگزیر سمجھتا ہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کرے جب کہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کے لئے اطاعت الٰہی کو سہل بنا دے۔ اگر ریاستی اقتدار اور اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آ جائے جو الطاغوت یعنی برائی کی حامل قوتیں ہیں اور ریاستی مشینری کرپشن میں ملوث ہو جائے تو ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت مشکل اور دشوار ہو جاتی ہے بلکہ ایسے حالات اور ماحول میں اسلامی عدل و احسان کی بات کرنا محض ایک کھوکھلا نعرہ بازی ہو گی۔ الطاغوت یعنی برائی کی قوتیں بالعموم چار صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے۔

1۔ فرعونی قوتیں خدائی کے دعویدار بادشاہ' سلاطین اور امرا وغیرہ۔ 2۔ ہامانی قوتیں نوکر شاہی' جاگیر دار وغیرہ جو فرعونی طاقتوں کو پوجا کرتے ہیں اور اسے تقویت دیتے ہیں۔ 3۔ قارونی قوتیں سرمایہ دار اور سود خور ساہوکار جو فرعونی اور ہامانی قوتوں کی قصیدہ گوئی اور حمایت میں مصروف رہتے ہیں۔ 4۔ آزری قوتیں' روحانی جاگیر دار جو ہامانی اور قارونی طاقتوں سے تعاون کرتے ہیں۔ علامہ اقبال ان کو طنزیہ طور پر عقابوں کے گھونسلوں میں کوؤں کا قبضہ قرار دیتے ہیں۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اسلامی سیاست میں اولین اور اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ صاحبان اقتدار کا کردار بالکل بے داغ اور صاف و شفاف ہو۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ حکمران طبقہ اپنے افعال و اعمال کے لئے جواب دہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ برائی کی طاقتوں کا دشمن ہے اور کمزور بے بس' بے سہارا اور جبر و استبداد کے تحت پسے ہوئے لوگوں کا دوست ہے۔ یہ حقیقت قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے آشکار ہوتی ہے۔

"اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین پر ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان کے ہاتھوں فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا"

بہر حال جو لوگ اللہ تعالیٰ کے پیش کئے ہوئے مقصد اور نصب العین سے ہٹ جاتے ہیں ان کی بجائے (اقتدار) دوسرے لوگوں کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنی تباہی کا سامان خود پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے ذاتی مال و منال اور اسباب مشترکہ قومی مساعی میں استعمال کرنے سے روک لیتے ہیں۔ انسان میں تقویٰ اور معرفت الٰہی پیدا کر کے اسلام دنیا و آخرت کے مفادات میں توازن پیدا کرتا ہے اور ریاست اخلاقی بنیاد پر معاشرتی اور اقتصادی نظام قائم کرتی ہے۔ جس میں شہریوں کو محض تقویٰ کی بنیاد پر عزت و احترام اور توقیر ملتی ہے۔ اس اسلامی نظام میں دولت و ثروت اور امارت یا رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی کو فضیلت نہیں دی جاتی۔ ریاست اور تمام شہری مل جل کر جب رضوان اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں تو انہیں عمدہ و پاکیزہ ملک حاصل ہوتا ہے۔ بخشش اور مغفرت فرمانے والا رب عظیم ان کا محافظ و ناصر ہوتا ہے۔ ہر نظام کا دارومدار نظام کے چلانے والوں پر ہوتا ہے۔ اس لئے دنیا کے ہر نئے نظام نے خواہ فاشزم ہو یا اشتراکیت انسان کی ساخت نو پر زور دیتا ہے۔ اسلام کی روحانی جمہوریت کی اساس بھی انسان سازی پر ہو گی روحانی جمہوریت کے قیام

کے لیے ہمیں ایسے انسانوں کی ضرورت ہو گی جن کے کردار کی درخشاں مثالیں ہمیں اصحاب رسول ﷺ میں ملتی ہیں۔ جن کی کردار سازی سرور کائنات رسول مقبول ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ خاتم الرسل ﷺ کا انسان سازی کا طریق اللہ تعالیٰ کی آیات کے سنانے' مسلمانوں کا تزکیہ نفس' کتاب اللہ کی تعلیم اور حکمت کے سکھانے پر مبنی تھا۔ یہی کام گزری صدیوں میں ہمارے علماء اور صوفیاء نے سرانجام دیا تھا مگر جو اس صدی کے دوران علماء کے سیاست میں حصہ لینے سے پھیکا پڑ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نعرے لگانے والے تو بہت ہیں مگر پیغام کو پھیلانے والے بہت ہی کم۔

روحانی جمہوریت کا مقصد ایک ایسے نظام کی تشکیل ہے جس کے تحت انسان کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا خوف نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی حاجت نہ ہو اور وہ جب حصول رزق کے لئے اپنے گھر سے نکلے تو اس کی اپنی اہلیت و قابلیت کے سوا کوئی اور رکاوٹ اس کے راستے میں حائل نہ ہو۔ اگر اس میں کوئی کمی من جانب اللہ ہو تو ریاست کا نظام احسان وہ کمی پوری کر دے۔ معاشرتی و معاشی نظام ایسا ہو کہ اسے تعلق باللہ کی نشوونما کے لئے بھی فراغت مل جائے۔ جس کی برکت سے اس میں فقط اپنے حقوق' اپنے فرائض اور دوسرے کے حقوق کا شعور اجاگر ہو جائے۔

روحانی جمہوریت کے نظام معاشیات میں مساوات' معاشرت میں مواسات' احترام آدمیت اور انسان دوستی' سیاست میں مشاورت' حکومت میں عوام کی شراکت' انسانی مراسم میں خوش خلقی اور اخوت اخلاقیات میں اسوہ حسنہ کی اقدار پر قائم ہو گی۔ اس نظام کا مطمح نظر علاقیت کے برعکس آفاقیت' رجعت پسندی کے برعکس اسلام کی ایک روشن خیال اور متحرک تعبیر ماسوائے ظلم کے خلاف جنگ کے صلح کل اور ماسوائے شرک کے دوسرے مذاہب کے ساتھ فراخ دلی اور رواداری کے رویئے پر مبنی ہو گا۔ اس روحانی نظام کی مرکزی اساس تعلق باللہ پر ہو گی۔

اس نظام کے چلانے والے قرآن کے فلسفہ حسن کے پیروکار یعنی محسن ہوں گے۔ جو وجیہ فی الدنیا والآخرۃ کی فضیلت کے طالب گار ہوں گے۔ لوگوں سے خوبصورت انداز میں گفتگو کریں گے۔ لوگوں سے معاملات میں توازن' میانہ روی اور اعتدال کو اپنائے رکھیں گے۔ حق گو' متقی' بیباک' شجیع اور منصف ہوں گے۔ عملی میدان میں مزاج اولوالعزم کارگر و کارساز ہوں گے۔

سفینہ برگ گل بنا لے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا
میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری' نفس میرا شعلہ بار ہو گا

(بانگ درا) (مطبوعہ نوائے وقت 99-7-6)

(ڈاکٹر ہلوک نور باقی)

قادر مطلق کے کمپیوٹری مرکز میں کائنات اصغر کے ریکارڈ

وقال الذین کفروا لا تاتینا الساعة قل بلی وربی لتاتینکم علم الغیب لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السموت ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتب مبین O

ترجمہ ا ”اس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے نہ زمین میں۔ نہ ذرے سے بڑی۔ نہ اس سے چھوٹی ایسی کوئی چیز ہے جو اس نمایاں کتاب (دفتر) میں درج نہیں ہے“ (سبا 34 آیت 3)

کائنات صغیر (MICROCOSMOS) کے سلسلے میں جو کہ علم طبیعیات کی بے حد خیال انگیز اور بے حد دلچسپ حدود ہیں، یہ آیت مقدسہ غیر معمولی اہمیت کے حامل پیغامات کو پیش کرتی ہیں۔ غیر ضروری تفصیلات میں جائے بغیر، ہمیں اس آیت میں دی گئی کیفیات اور اصطلاحات کا بغور اور احتیاط سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ ہمارے مطالعہ میں ”سب سے چھوٹے ایٹم“ کا ابتدائی ترجمہ ہمارے علم کے مطابق وہ سب سے چھوٹا ذرہ ہے جس کی طبیعیاتی علم کے ذریعے پیائش ہو سکے (مثقال ذرہ) ایک دوسری تعریف ”اصغر“ کے تصور کی حامل ہے۔ ہمارے ترجمہ کے لحاظ سے اس کا مطلب، بہت چھوٹا، کم سے کم ہے۔ بہرحال اصغر بے حد چھوٹا ہونے کے نزدیک تر ہے نہ کہ چھوٹا سائز لاطینی زبان میں یہ کم از کم ترجمہ میں ایک اور مشکل مرحلہ، نمایاں کتاب، یا کھلی کتاب کے تشریح کا معاملہ ہے۔ کھلی کتاب جسے لوح محفوظ بھی کہا جاتا ہے قرآن میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے شروع میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ کھلی کتاب کا مطلب وہ کتاب ہے جس میں ہر وہ چیز درج ہوتی ہے لیکن کائنات کے رازوں کو سمجھنے کے سلسلے میں یہ تعریف ناکافی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے دور میں ان اصطلاحات کو بہتر طور پر سمجھنا خاصا آسان ہو گیا ہے۔ میں نے اپنی متعدد کتابوں میں اس نظریہ کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ ایک طرح کا کمپیوٹر سنٹر ہے جہاں تقدیر

(DESTINY) سے متعلق تمام قوانین اور احکامات کا ریکارڈ رکھا گیا ہے۔

اس آیت کی تشریح کے لئے میں کائنات اصغر (مائیکرو کوسموس) کے طبیعیاتی ڈھانچے کا خلاصہ پیش کرنا چاہوں گا۔

کائنات اصغر (MICROCOSMOS) کیا ہے؟

دو ہزار سال قبل یونانیوں نے ایٹم کو مادہ کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی سے تعبیر کیا تھا۔ ریزہ (ذرہ) کی اصطلاح پانچ ہزار سال قبل مصر، اسیریا اور ہندوستان میں بھی مستعمل تھی۔ ایٹم جس کا تصور مادے کے سب سے چھوٹے یونٹ کے طور پر موجود تھا، (تقسیم نہ ہونے والا A - TOM) سب سے چھوٹی چیز کی نمائندگی کرتا ہے۔ مگر عربی زبان میں لفظ مثقال، ذرا مختلف معنی رکھتا ہے۔ میری تحقیقات کے مطابق یہ نظریہ سب سے پہلے قرآن میں ہی دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اگر چھوٹی سے چھوٹی قابل تقسیم چیزوں کو قادر مطلق کے کمپیوٹر میں درج کیا گیا ہے تو اس سے یہ عیاں ہے کہ یہ ذرے ریاضیاتی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔

آیئے! اب دیکھیں کہ جدید علم طبیعیات (فزکس) کائنات اصغر (مائیکرو کوسموس) کو کس طرح بیان کرتا ہے۔

کائنات میں سب سے چھوٹی چیزیں مادہ بشمول سب سے بڑی کہکشاؤں کے وجود کو تشکیل دیتی ہیں۔ جدید فزکس میں مادہ کی تمام خصوصیات کا تعین، ان بے حد چھوٹی چیزوں (INFINITESIMALS) جنہیں بنیادی ذرے کہا جاتا ہے، کے ذریعے ہوتا ہے۔ پھر مختلف چیزوں، جیسے فولاد، ہوا اور درختوں کی ساخت خود ان چھوٹے ذرات کے کائنات صغیر مائیکرو کاسموس کی سطح پر وجود میں آنا شروع ہوتی ہے۔

کائنات صغیر ایک مرکزی ڈھانچے پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک ایٹم کے مرکزہ کو ایک دارالحکومت سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ یہ زیادہ تر پروٹونز اور نیوٹرون سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ جوہر کی مضبوط قوت انہیں ایک ساتھ باندھے رکھتی ہے اور اسطرح مرکزہ اور نتیجتاً مادہ کے وجود کے تسلسل کو برقرار رکھتی ہے۔ اس جوہری "شہر" کے اردگرد منفی برق پارہ یا الیکٹرون کے بادل ہوتے

ہیں جن کی توانائی کی سطح تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اس کو کائنات صغیر کے آسمان بھی کہا جا سکتا ہے۔
اس سے پہلے سات آسمانوں کی تشریح کے وقت بھی میں نے کائنات صغیر (مائیکرو کوسموس) کی کچھ
خصوصیات بیان کی ہی۔ ایٹم کے دار لحکومت مرکزہ (نکلیس) میں پروٹونز اور نیوٹرون کے ساتھ ساتھ
یہ ابتدائی ذرے بھی چھپے رہتے ہیں۔ مثلاً میسون (MESON) نیوٹرینو (NEUTRINO) اینٹی نیوٹرینو
(ANTI NEUTRINO) اور (BREMSSTRABLUNG) یعنی ایک مرکزہ میں کسی ذرے کے
داخل ہونے پر ان کی ا کیگیتی اور ایکسرے اور گاماریز کے قدرے جو جوہری توانائی کی مختلف سطحوں
پر گرفتار یا پھنس جاتے ہیں۔ یہ سب خود ایٹم سے بہت ہی زیادہ چھوٹے ہوتے ہیں۔ ہم ان میں
سے چند ایک کی خصوصیات کو ذیل میں زیر بحث لائیں گے۔

عزیز قاری! کیا آپ کو اس آیت میں موجود یہ ناقابل یقین طبیعیاتی پیغام نظر آتا ہے؟ یہ ہمیں
چودہ سو سال قبل سے یہ بتا رہا ہے کہ مادہ جن اجزاء سے بنتا ہے وہ ایٹم سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں
اور ان کا اندراج قادر مطلق کے پاس پہلے سے موجود ہے۔

مگر یہ ذرے کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں کیوں درج کئے گئے ہیں؟ جب کسی چیز کا اندراج
اس سائنسی مرکز میں کیا جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ اس کو ایک سائنسی تقدیر عطا کی جاتی ہے۔ ان ذروں
کا طبیعیاتی ڈھانچہ اسی مرکز میں متعین ہوتا ہے۔ یہ ذرے اپنے اٹل اور ناقابل تبدیل حساب کی
خاصیت اسی کمپیوٹر سے حاصل کرتے ہیں۔

یہ الفاظ محض اندازے یا اٹکل پچو نہیں ہیں اور نہ ہی یہ الفاظ میری اپنی ایجاد ہیں۔ دنیا کے پانچ
سب سے زیادہ مشہور ماہر طبیعیات میں سے ایک ورنر ہائزن برگ کے مطابق انفرادی طبعی واقعات
جو ایٹم کے مرکزہ میں واقع ہوتے ہیں' ان کے متعلق پیش گوئی نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس کو اصول
بے یقینی کہا گیا ہے۔ تو پھر یہ بے حد چھوٹے ذرے اپنا وجود کس طرح قائم رکھتے ہیں؟ یہ فوراً" ہی
توانائی کی شکل کیوں نہیں اختیار کر لیتے؟ یہ آیت مقدسہ اس سوال کا جواب بے حد صراحت سے
مہیا کرتی ہے۔ کہ ایٹم سے چھوٹے ذرے قادر مطلق کے بنائے ہوئے مرکز میں پروگرام کئے گئے
ہیں۔ اسی وجہ سے یہ انتہائی چھوٹے ذرے' کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں درج اپنے مخصوص

پروگرام پر عمل کرتے رہتے ہیں اور کسی قسم کی افراتفری یا پراگندگی کا شکار نہیں ہوتے۔

اس آیت کا ایک اور اعجاز یہ ہے کہ یہ ہمیں ناقابل تقسیم اشیاء (مخلوقات) اور چھوٹے ذروں جیسے مثلاً" ایٹم' پروٹونز' نیوٹرونز اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کے متعلق علم عطا کرتی ہے۔ جو چاہے زمین پر ہوں یا آسمان میں۔ پرانے زمانوں میں رہنے والے انسانوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ آسمانوں میں موجود ذرے کا تصور بھی کرسکتے جب کہ اس کا ادراک تو زمین پر بھی مشکل تھا۔

کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں ان جوہر سے چھوٹے ذرات (SUBATOMS) کی تقدیر سے کس قسم کا طبعی عمل مراد لیا جاتا ہے؟ آیئے اس کا جواب علم طبیعیات کی ایک نئی شاخ میں تلاش کرتے ہیں۔

"نودی مقناطیسی گونج" (NUCLEARMAGNETICRESONANCE) یا (N.M.R) ہر ذرے اور ایٹم کی شناخت اس سے نکلنے والی تھرتھراہٹ (یا آوازوں) کے ذریعہ کرتی ہے۔ (N.M.R) ایک مقداری مکینیکل عمل کی خاصیت ہے' جو پروٹونز یا نیوٹرون کے ایٹمی مرکزہ میں جفت اعداد کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایسے مرکزے لاصفر (NON - ZERO) سپن یا چکر کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ اپنے ساتھ ملحقہ مقناطیسی معیار اثر دوسرے لفظوں میں مقناطیسی میدان کے حامل ہوتے ہیں۔ جب ان کو ایک بیرونی' سکونی مقناطیسی میدان میں رکھا جائے تو یہ اس کے ساتھ سیدھ میں یا قطار میں بندھ جاتے ہیں۔ اس بندھن کے عمل کے دوران مرکزے (NUCLEI) مقناطیسی میدان کے اردگرد جھولتے ہوئے حرکت کرتے ہیں۔ یہ گونج دار حرکت (N.M.R) مظہر قدرت ہے۔ خارجی مقناطیسی میدان کے استعمال کی مثال تار والے موسیقی کے ساز کی ٹیوننگ (TUNNING) سے دی جاسکتی ہے۔

مگر جب ایک دفعہ مرکزے خارجی مقناطیسی میدان کے ساتھ سیدھ میں آجاتے ہیں یا (ALLIGN) ہو جاتے ہیں تو مقناطیسی حرکت فی اکائی کسی قسم کے جھولنے یا لٹکیں لینے والی خاصیت سے عاری ہو جاتی ہے۔ (N.M.R) کے اشارے یا سگنل کے مطالعہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ اس توازن کو ہلایا یا ڈسٹرب کردیا جائے۔ یہ اس طرح ڈسٹرب یا بے قراری کی حالت میں آتی ہے کہ

ایک دوسرے وقتی فرق والے مقناطیسی میدان کو جو اصلی میدان سے ہزاروں گنا کمزور ہو اور جو زاویہ قائمہ کی سمت میں ہو' اس کو اس کے ساتھ استعمال میں لایا جائے یا ملا دیا جائے۔ اس میدان میں جو مثال ریڈیائی تعدد فیلڈ ہوتا ہے' کو ضروری طور پر مرکزوں کے ارتعاشی فریکونسی جسے (LARMOR FREQUENCY) کہتے ہیں سے پوری طرح تال میل کھانا چاہئے۔ اس دوسرے میدان کے استعمال کو ایک ساز کی تار کو چھیڑنے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اور مرکزے اس کا جواب' میگاہرٹز (MEGAHERTZ) کی سطح پر ایک سر نکالنے کے انداز میں دیتے ہیں۔ یہ سر ہر قسم کے ایٹم اور ہر الگ سکونی میدان کی قدر کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ یہ ارتعاش برقی رو یا وولٹیج میں تبدیل ہو جاتی ہے اور مرکزے کی نشاندہی یا اس کی گنگناتی سر سے ہوتی ہے۔

چنانچہ ایٹم سے چھوٹے ذرے کی سطح پر کروں کی موسیقی بھی یہی چیز ہے۔ سورۃ یاسین کی آیت نمبر 40 میں جو کہا گیا ہے کہ ہر چیز اور ہر ذرہ ایک مخصوص محور میں چکر لگا رہا ہے اور اللہ کی حمد گاتا ہے تو یہ سر یا موسیقی ہی اللہ کے نام کا ذکر ہے' چنانچہ یہ بھی قادر مطلق کی اس کھلی کتاب میں پہلے ہی سے لکھ دیا گیا ہے کہ ایٹم سے بھی چھوٹا ہر جوہر کون سی موسیقی یا ذکر پیش کرے گا اور اگر آپ تصوراتی طور پر ایک "ایٹم کے شہر" میں داخل ہو جائیں تو آپ کو یہ خدائی ذکر' ایک حیران کن حد تک خوبصورت موسیقی کی شکل میں سنائی دے گا۔ اگر آپ یہ پہچان سکیں کہ کون سی سر کس عنصر سے مطابقت رکھتی ہے تو آپ یہ بھی پہچان جائیں گے کہ آپ کس شہر میں داخل ہوئے ہیں۔ مزید برآں آپ کو روشنی کے وہ نکتے بھی دکھائی دیں گے جو مختلف رنگوں کے آسمانوں کے درمیان ایک پھلجھڑی کی طرح جمپ کرتے ہیں یہ ہر طرح کی خوب صورت روشنیاں اور آوازیں انتہائی گہری عبادات اور ذکروں کو بیان کرتی ہیں۔ جو ہماری روز مرہ کی سائنسی دنیا کے لحاظ سے ان کی حمد کرنے (تسبیحن) کے راز کا اظہار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم' علم طبیعیات (فزکس) آسمانی طبیعیات (اسٹروفزکس) اور علم حیاتیات کی عقلی اور استدلالی سائنسوں کو اتنی پسندیدگی اور اہمیت عطا کرتا ہے۔ اگر سائنس' قرآن کے عظیم بابرکت نکتہ نظر سے حیات کا مشاہدہ کرے تو اسے اس میں دیئے گئے لامحدود معانی نظر آئیں گے۔

اسے چھوٹی سے چھوٹی مخلوق میں حمد و ذکر کا شعور حاصل ہو گا۔ چاہے ٹیکنیشن یا سپروائزر لوگ اس کا احساس کریں یا نہ کریں آج (N.M.R) لیبارٹیز میں ذروں (مالیکیول کے ذکر کی موسیقی کا مشاہدہ ان کی وڈیو سکرینوں پر کیا جا رہا ہے۔

آیئے اب اس آیت کو مکمل طور پر پڑھ کر اس کی ان موشگافیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں جن میں چودہ صدیاں قبل ان اذکار' یا حمد کی موسیقی کی موجودگی بتائی گئی تھی۔ اس کی ابتداء میں اللہ نے پہلا سائنسی پیغام' انسانیت کو اور یوم حساب میں ایمان نہ رکھنے والوں کو دیا ہے کہ "میں ہی عالم الغیب ہوں" اس کے بعد اس نے اس پاک آسمانی کمپیوٹر کے متعلق بتایا ہے کہ جس میں ایٹم اور اس سے بھی چھوٹے ذروں کے وجود کے سائنسی ماخذ ملتے ہیں۔ یہ آیت سائنسدانوں کو الحاد سے اس طرح باز رہنے کو کہتی ہے کہ جسے یہ علم حاصل ہے وہ کفر نہیں کر سکتا۔ ایک آدمی جس نے سکرین پر لائے گئے ان بے حد چھوٹے کروں کا اور ان کی موسیقی کا مشاہدہ کیا وہ کس طرح انکار کر سکتا ہے۔ ان حقائق کے تناظر میں کفر کا وجود جہالت کی مہر ہے۔ یہاں ایک اور اہم نکتہ کائنات ہائے کلاں (MACROCOSMOS) سے متعلق ہے۔ جو قادر مطلق کے سائنسی کمپیوٹر کے ریکارڈ میں ان سے متعلق ہے۔ یعنی جس کا تعلق ستاروں اور کہکشاؤں سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ تفصیل کہ فلاح ستارہ کائنات کے کس کونے میں اور کس قدر اور کس حالت میں ہو گا' اس حیران کن کمپیوٹر یعنی لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے۔ اسی میں حیات بعد از موت کا حساب بھی درج کر دیا گیا ہے۔ "پھر کیا وجہ ہے تم ابھی تک شک میں پڑے ہو؟"

ابتدائی ذروں سے متعلق بحث میں' میں نے دانستہ طور پر کوارکس (QUARKS) کے مضمون کو نہیں چھیڑا۔ اس لئے کہ یہ موضوع ذاتی فزکس کے ماہرین کے درمیان ابھی تک ایک نزاعی مسئلہ ہے کوارکس کے متعلق یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ پروٹونز اور نیوٹرونز کے تعمیراتی بلاک ہیں) اس طرح قرآن کی اصطلاح "اصغر" کے معانی کی تلاش میں علم طبیعیات انتہائی چھوٹی چیز بلکہ سب سے چھوٹی چیز کی تلاش میں ابھی تک سرگرداں ہے۔

نماز کے بارے میں

(سید اذن علی شاہ توحیدی)

عبادات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کا تعلق اللہ تعالیٰ کی "شان حاکمانہ" سے ہے کہ وہ حاکم ہیں اور ہم سب محکوم اور دوسری قسم "شان محبوبیت" سے تعلق رکھتی ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ بعض عبادات "شان جلالی" کی مظہر ہیں اور بعض " شان جمالی" کی، نماز اور زکوٰۃ حاکمانہ شان کی مظہر ہیں۔ چنانچہ اذان دربار شاہی کھلنے کی گھنٹی ہے دربار میں حاضری کے لئے بدن اور لباس کی صفائی کا اہتمام کیا جاتا ہے اور عمدہ لباس اختیار کیا جاتا ہے اور دربار کی طرف بھاگتے ہوئے نہیں بلکہ وقار کے ساتھ جایا جاتا ہے۔ حاکم کی خاص مجلس میں حاضر ہونے سے قبل کچھ وقت باہر انتظار کرنا پڑتا ہے لہٰذا نماز میں بھی مناسب یہ ہے کہ جماعت کھڑی ہونے سے کچھ پہلے مسجد میں پہنچ کر انتظار کرے اس کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھوں کے اشارے سے اس عالم کو پس پشت ڈال کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتا ہو حاکم کے دربار میں پہنچ کر سب لوگ پہلے سلام اور آداب بجالاتے ہیں اس لئے حکم ہوا کہ نماز شروع کرتے ہی امام اور سب مقتدی ثناء پڑھیں اس کے بعد سب حاضرین کی طرف سے ایک نمائندہ درخواست پیش کرتا ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ صرف امام ہی پڑھے کیونکہ یہ درخواست ہے۔ درخواست کا مضمون بھی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے خود ہی سکھلا دیا

"جلیل القدر بزرگ شیخ اکبرؒ فتوحات میں اور شاہ ولی اللہؒ حجتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر کچھ ٹھہرنا چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب مل رہا ہوتا ہے اور نمازی ادھر توجہ کئے بغیر بڑھتا چلا جائے تو یہ خلاف ادب ہے۔

حدیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ حضور پاک ﷺ سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف فرماتے تھے اس کے بعد سب مقتدی "آمین" کہہ کر امام کی پیش کردہ درخواست کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس

دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ امام قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے کہ تم نے اھدنا الصراط المستقیم میں جو ہدایت طلب کی ہے اس کے جواب میں ہم تمہیں یہ کتاب ہدایت دیتے ہیں جو ھدی للمتقین ہے۔

نماز میں یہاں تک تو صرف زبان سے حمد و ثناء ہے آگے جوارح سے بھی آداب بجالانے کے لئے "رکوع" میں جھک جاتا ہے اس کے بعد امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر یہ بشارت دیتا ہے کہ آپ کی قولی و فعلی حمد قبول ہو گئی ہے اس بشارت پر بطور شکر مقتدی ربنا لک الحمد کہہ کر مزید حمد کرتا ہے۔ پھر احکم الحاکمین کے سامنے انتہائی تذلیل کے اظہار کے لئے اشرف الاعضاء یعنی چہرہ خاک میں ملا دیتا ہے سجدہ کرتا ہے اور پھر دوسرا سجدہ کر کے یہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی شان جلالی و جمالی دونوں پر مرمٹنے کے لئے تیار ہوں

آخر میں دربار سے واپسی ہوتے وقت التحیات للہ والصلوت والطیبات یعنی قولی' بدنی اور مالی ہر قسم کی عبادت کا نذرانہ پیش کرتا ہے پھر اچانک خیال آتا ہے کہ کہاں میں اور کہاں پر دربار عالی تو سوچتا ہے کہ یہ شرف حضور پاک ﷺ کے واسطہ سے ملا تو آپ پر سلام پڑھتا ہے پھر خیال آیا کہ آنحضرت ﷺ کو ہم نے خود تو نہیں دیکھا للذا آپ کی تعلیمات کے پہنچانے میں جو لوگ ذریعہ بنے ہیں ان پر بھی وعلی عباد اللہ الصالحین کہہ کر سلام بھیجتا ہے

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ میں جب حضور پاک ﷺ کا دوبارہ نام آیا تو دوبارہ درود شریف پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔

دربار سے اٹھتے وقت یہ دستور ہے کہ بغرض اہتمام تاکید پیش کردہ درخواست کے مضمون کا اجمالا اعادہ کیا جاتا ہے اس لئے نماز کے بالکل آخر میں کوئی مختصر اور جامع دعا پڑھی جاتی ہے

آخر میں سلام کہہ کر اس درباد سے رخصت ہو کر عالم دنیا میں لوٹ آتا ہے۔

(حضرت قاسم نانوتوی ؒ کی تقریر سے اقتباس)

نیکیوں کے فوائد اور گناہوں کے نقصانات

بندوں کا ہر وہ قول و فعل جس سے خداوند قدوس ناراض ہو۔ یا اس کو ناپسند ہو وہ گناہ ہے۔

گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ گناہ صغیرہ (چھوٹے چھوٹے گناہ) گناہ کبیرہ (بڑے بڑے گناہ) گناہ صغیرہ تو اکثر نیکیوں اور عبادتوں کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر گناہ کبیرہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک کہ آدمی سچی توبہ کر کے اور صاحبان حقوق اس ان کے حقوق معاف نہ کرا لے۔

گناہ کبیرہ کس کو کہتے ہیں؟

گناہ کبیرہ ہر اس گناہ کو کہتے ہیں جس سے بچنے پر اللہ تعالٰی نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے (حاشیہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۶) اور بعض علماء کرام نے فرمایا کہ ہر وہ گناہ جس کے کرنے والے پر اللہ و رسول نے وعید سنائی۔ یا لعنت فرمائی یا عذاب کا ذکر فرمایا وہ گناہ کبیرہ ہے۔ (فیوض الباری جلد ا صفحہ ۴۰۵)

گناہ کبیرہ کون کون ہیں؟

گناہ کبیرہ کون کون ہیں؟ اور ان کی تعداد کتنی ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ گناہ کبیرہ کی تعداد "سات" ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) شرک (۲) جادو کرنا (۳) خون ناحق (۴) سود خوری (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) جہاد سے بھاگ جانا (۷) پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔ (مشکوۃ جلد ا صفحہ ۷ اباب الکبائر)

یہ ساتوں گناہ وہ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ سات ہلاک کر دینے والے گناہوں سے بچو اور محدث حاکم کی روایت میں گناہ کبیرہ کی تعداد "نو" اور بعض روایات میں اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا گناہ کبیرہ سات ہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ گناہ کبیرہ کی تعداد "سات سو" تک ہے۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ایک چھوٹی سی نیکی کو خلوص نیت کے ساتھ اگر کوئی کرے تو اس کا اجر و ثواب بہت بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہ صغیرہ یعنی چھوٹے چھوٹے گناہوں کو اگر کوئی بے باکی اور بے خوفی کے ساتھ کرتا رہے۔ تو

وہ گناہ صغیرہ بھی گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہر "گناہ صغیرہ" پر جب اصرار کیا جائے تو وہ "گناہ کبیرہ" بن جاتا ہے۔

تصوف کے امام حضرت شیخ ابو طالب مکیؒ سے منقول ہے کہ گناہ کبیرہ "سترہ" ہیں۔ چار تو وہ ہیں جو دل سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں (ا) شرک (۲) گناہوں پر اصرار (۳) اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جانا (۴) حرم کعبہ میں گناہ کرنا۔ اور تین وہ ہیں جن کا تعلق شکم سے ہے اور وہ یہ ہیں۔ (ا) شراب پینا (۲) یتیم کا مال کھانا (۳) سود کھانا۔ اور دو وہ ہیں جن کا تعلق شرمگاہ سے ہے اور وہ یہ ہیں (ا) زنا کاری (۲) لواطت۔ اور ایک وہ ہے جس کا تعلق پاؤں سے ہے اور وہ یہ ہے (ا) جہاد سے بھاگ جانا اور دو وہ ہیں جو ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں (ا) خون ناحق (۲) چوری۔ اور ایک وہ ہے جو تمام جسم سے تعلق رکھتا ہے اور وہ یہ ہے (ا) ماں باپ کو رنج پہنچانا۔ (شرح عقائد مع حاشیہ صفحہ ۸۲ و کیمیائے سعادت رکن ۴ منجیات)

واضح رہے کہ مختلف روایتوں میں جو گناہ کبیرہ کی تعداد بتائی گئی وہ "حصر" کے لئے نہیں کہ گناہ کبیرہ سات ہی ہیں۔ یا نو ہی۔ یا سترہ ہی ہیں۔ بلکہ یہ مثال کے طور پر ہے کہ کسی روایت میں مثال کے طور پر سات کا ذکر آگیا۔ کسی روایت میں نو کا۔ کسی روایت میں سترہ کا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا گناہوں کے سوا اور بھی بہت سے گناہ کبیرہ ہیں۔ مثلاً نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کو چھوڑ دینا۔ ڈاکہ مارنا۔ جھوٹ بولنا، چغلی کھانا۔ دو مسلمانوں کو آپس میں لڑا دینا۔ ناچ دیکھنا۔ عورتوں کا بے پردہ پھرنا۔ ناپ تول میں کمی کرنا۔ جوا کھیلنا، حیض و نفاس کی حالت میں بیوی سے صحبت کرنا۔ ماں باپ کو رنج پہنچانا۔ وغیرہ وغیرہ سینکڑوں گناہ کبیرہ ہیں۔

چند مشہور گناہ کبیرہ

(ا) شرک کرنا (۲) جادو کرنا (۳) خون ناحق کرنا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) جہاد کفار سے بھاگ جانا (۷) پاک دامن مردوں اور عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا (۹) اغلام بازی کرنا (۱۰) چوری کرنا (۱۱) شراب پینا (۱۲) جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا (۱۳) ظلم کرنا (۱۴) ڈاکہ ڈالنا (۱۵) ماں باپ کو تکلیف دینا (۱۶) حیض و نفاس کی حالت میں بیوی سے صحبت کرنا (۱۷) جوا کھیلنا (۱۸) صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنا (۱۹) اللہ کی رحمت سے

ناامید ہو جانا (۲۰) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو جانا (۲۱) عورتوں کا بے پردہ پھرنا (۲۲) ناچ دیکھنا (۲۳) ناپ تول میں کمی کرنا (۲۴) چغلی کرنا (۲۵) غیبت کرنا (۲۶) دو مسلمانوں کو آپس میں لڑا دینا (۲۷) امانت میں خیانت کرنا (۲۸) کسی کا مال و سامان یا زمین غصب کر لینا (۲۹) نماز و روزہ اور حج و زکوۃ وغیرہ فرائض کو چھوڑ دینا (۳۰) مسلمانوں کو گالی دینا یا ان سے ناحق مار پیٹ کرنا (۳۱) مسلمانوں کی آبروریزی کرنا وغیرہ وغیرہ سینکڑوں گناہ کبیرہ ہیں جن سے بچنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور ساتھ ہی دوسرے مسلمانوں کو بھی ان گناہوں سے روکنا لازم و ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کو کوئی گناہ کرتے دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو اس گناہ کرنے سے روک دے اور اگر ہاتھ سے اس کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے منع کر دے۔ اور اگر ہاتھ سے اس کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے منع کر دے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کم سے کم اپنے دل سے اس گناہ کو برا سمجھ کر اس سے بیزاری ظاہر کر دے۔ مگر یہ ایمان کا نہایت ہی کمزور درجہ ہے۔ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ مجتبائی) اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ کوئی آدمی کسی قوم میں رہ کر گناہ کا کام کرے اور وہ قوم قدرت رکھتے ہوئے بھی اس کو گناہ کرنے سے نہ روکے تو اللہ تعالیٰ اس ایک آدمی کے گناہ کے سبب پوری قوم کو اس کے مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۳۷)

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم فلاں فلاں شہر کو اس طرح الٹ پلٹ کر دو کہ ان شہروں کے تمام باشندے دب کر ہلاک ہو جائیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! ان شہر والوں میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک مارنے پر بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پورے شہر والوں اور اس بندے پر بھی شہر کو الٹ پلٹ کر دو۔ کیونکہ اس بندے نے اگرچہ میری نافرمانی نہیں کی ہے مگر دوسروں کے گناہوں پر (ناراض ہو کر) اس نے کبھی منہ نہیں بگاڑا۔ (مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۳۸، ۴۳۹) بہرحال تمام گناہوں سے بچنا فرض ہے اور دوسروں کو بھی گناہوں سے روکنا یا کم سے کم ان سے ناراضگی کا اظہار کر کے بیزاری ظاہر کرنا بھی لازم و ضروری ہے۔ لوگ عام طور پر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں کے گناہ سے ہم کو کیا غرض؟ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ مگر یاد رکھئے کہ اس معاملہ میں ایسا نہیں ہے۔ گناہ کرنے والوں اور ان کو دیکھ کر خاموش رہنے والوں کی مثال

دیتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ کہ کچھ لوگ دو منزل کی کشتی پر سوار ہوں اور نیچے کی منزل میں کوئی چھید کر کے پانی لے۔ تو اگر اوپر کی منزل والے اس کا ہاتھ پکڑ کر کشتی میں چھید کرنے سے روک دیں۔ جب تو اوپر اور نیچے دونوں منزلوں کے لوگ سلامت رہیں گے۔ اور اگر نیچے کی منزل میں ایک آدمی چھید کرتا رہا اور لوگ خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو نہ روکا تو جب کشتی غرق ہو گی تو نیچے اور اوپر کی دونوں منزل والے غرق ہو جائیں گے۔ بس یہی مثال ہے کہ قوم میں ایک آدمی گناہ کر رہا ہے اور قوم خاموش تماشائی بنی رہے۔ اور اس کو نہ روکے تو جب اس کے گناہوں کے سبب سے عذاب الٰہی آئے گا تو اچھے اور برے گنہگار اور نیکو کار سبھی ہلاک ہو جائیں گے اور اگر قوم نے اس گنہگار کو گناہ سے روک دیا تو سب عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۳۶) اس لئے ہر گاؤں اور ہر محلے کے لوگوں کو چاہئے کہ ایک اصلاحی کمیٹی بنالیں کہ وہ خود بھی گناہوں سے بچیں اور دوسروں کو بھی گناہوں سے روکیں۔ ورنہ جب عذاب الٰہی آئے گا تو سب برباد ہو جائیں گے۔ اور علماء کرام اور واعظین کو چاہئے کہ اپنے وعظوں میں عوام کو خوش کرنے کے لئے نکات اور لطائف بیان کرنے کی جگہ ترغیب و ترہیب کا وعظ بیان کریں۔ یعنی لوگوں کو گناہوں کے وبال سے ڈرائیں۔ اور نیکیوں کی رغبت دلائیں، مشائخ اور پیران کبار کو چاہئے کہ اپنے مریدوں کو اپنے بزرگوں کی کرامات سنانے کے بعد بزرگوں کی کچھ عبادتوں کے اور گناہوں سے بچنے کے احوال بھی سناتے رہیں۔ تاکہ مریدین کو گناہوں سے نفرت اور نیکیوں کی رغبت حاصل ہو۔

گناہوں سے دنیاوی نقصان

یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ گناہوں سے عذاب جہنم اور عذاب قبر اور آخرت کا بہت بڑا نقصان ہے۔ مگر یاد رکھو گناہوں کی نحوست سے آدمی کو دنیا میں بھی طرح طرح کے نقصانات پہنچتے رہتے ہیں۔ جن میں سے چند نقصانات یہ ہیں اور ان سے بڑے بڑے نقصانات کا بھی خطرہ ہے۔

(۱) روزی کی برکت کم ہو جانا (۲) بلاؤں کا ہجوم ہونا (۳) عمر گھٹ جانا (۴) دل میں اور بعض مرتبہ تمام بدن میں اچانک کمزوری پیدا ہو کر صحت کا خراب ہو جانا (۵) عبادتوں سے محروم ہو جانا (۶) عقل میں فتور پیدا ہو جانا (۷) لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جانا (۸) کھیتوں اور

باغوں میں اچانک پیداوار میں کمی ہو جانا (۹) نعمتوں کا چھن جانا (۱۰) ہر وقت دل کا پریشان رہنا (۱۱) اچانک لاعلاج بیماریوں میں مبتلا ہو جانا (۱۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں اور اس کے فرشتوں اور اس کے نیک بندوں کی لعنتوں میں گرفتار ہو جانا (۱۳) چہرے سے ایمانی نور نکل جانے سے چہرے کا بے رونق ہو جانا۔ (۱۴) شرم و غیرت کا جاتا رہنا (۱۵) ہر طرف سے ذلتوں' رسوائیوں اور ناکامیوں کا ہجوم ہو جانا (۱۶) مرتے وقت منہ سے کلمہ نہ نکلنا وغیرہ وغیرہ۔ گناہوں کی نحوستوں سے بڑے بڑے نقصان ہوا کرتے ہیں۔ آدمی بار بار سوچتا ہے کہ ایسا کیوں؟ اور کس وجہ سے ہوا؟ مگر کچھ اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب نقصانات گناہوں کی نحوستوں سے ہوا کرتے ہیں۔ جن کا واحد علاج یہی ہے کہ آدمی جن گناہوں میں پڑا ہوا ہے۔ ان سے سچی توبہ کر کے ان گناہوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے اور پھر رحمت الٰہی کا جلوہ دیکھے کہ وہ کیا تھا؟ اور کیا ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی توفیق بخشے۔ (آمین)

عبادتوں کے دنیاوی فوائد

عبادتوں اور نیکیوں سے آخرت کے فوائد و منافع تو ہر مسلمان کو معلوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عابد اور نیک بندوں کو آخرت میں جنت کی بے شمار نعمتیں عطا فرمائے گا۔ لیکن اس سے غافل نہ رہو کہ عبادت سے آخرت کے فائدوں کے علاوہ عبادت اور نیکی کی برکتوں سے بہت سے دنیاوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً" (۱) روزی بڑھنا (۲) مال و سامان اور اولاد ہر چیز میں برکت ہونا (۳) بہت سی دنیاوی تکلیفوں اور پریشانیوں کا دفع ہو جانا (۴) بہت سی بلاؤں کا ٹل جانا (۵) سب کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو جانا (۶) نور ایمان کی وجہ سے چہرے کا بارونق ہو جانا (۷) عمر کا بڑھ جانا (۸) پیداوار میں خیر و برکت ہو جانا (۹) بارش ہونا (۱۰) ہر جگہ عزت و آبرو ملنا (۱۱) فاقہ سے نجات ملنا (۱۲) روز بروز نعمتوں میں ترقی ہونا (۱۳) بہت سی بیماریوں سے شفا پانا (۱۴) آئندہ آنے والی نسلوں کو فائدہ پہنچنا (۱۵) اطمینان قلب کی زندگی نصیب ہونا (۱۶) مرتے وقت کلمہ نصیب ہونا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دنیاوی فائدے ہیں۔ جو عبادتوں اور نیکیوں کی برکتوں سے دنیا میں حاصل ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی توفیق بخشے۔ (آمین) (مرسلہ ایم۔ اے حنیف)

حمد باری تعالیٰ

میری منزلوں کو جو غیب سے ملے راستہ اے میرے خدا
تو میں جسم و جان کا جوڑ لوں کوئی رابطہ اے میرے خدا
تو علیم بھی، تو قدیر بھی، تو عظیم بھی میری لاج رکھ
میری ذات پر نہ اتارنا کوئی سانحہ اے میرے خدا
جو ہمیشہ تجھ سے ڈرے رہیں تیرے سامنے ہی جھکے رہیں
میرا ساتھ ان کے ساتھ کر، جو کریں ثنا اے میرے خدا
مجھے ہر کشش سے نکال دے، مجھے سیدھی راہ پہ ڈال دے
وہ جو آنکھ خود کو بھی دیکھ لے، مجھے کر عطا اے میرے خدا
تیرے مصطفیٰؐ کا ہوں امتی، تیری رحمتوں کی طلب مجھے
تیرے اذن سے ہیں شفاعتیں، تو ہی آسرا اے میرے خدا

مرسلہ! غازی احمد

حضرت مجدد الف ثانی کا فرمان

(ایم محمد اکرم)

۱ مجدد الف ثانیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ "وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو تقلید سنت سے الگ ہو کر اختیار کئے جائیں۔ معتبر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ جوگی اور ہندوستان کے براہمہ اور یونان کے فلاسفر بھی ان کو اختیار کرتے ہیں اور یہ ریاضتیں ان کی گمراہی میں اضافہ کے سوا کچھ نہیں کرتی ہیں" (جلد اول مکتوب 221)

قضا نماز کے مسائل و ہدایات

(حافظ محمد یاسین)

(1)۔ سفر کے دوران جو نمازیں قضا ہو جائیں' ان کی قضا اگر حالت اقامت میں پڑھی جائے تو قصر کرنا چاہئے اور دوران اقامت کی قضا نمازیں اگر سفر کی حالت میں پڑھی جائیں تو پوری پڑھنی ہوں گی۔ یعنی ظہر' عصر اور عشاء کی چار رکعت پڑھی جائیں گی۔

(2)۔ صرف وتر کی نماز قضا ہوئی اور وتر کے علاوہ کسی نماز کی قضا بھی اس کے ذمہ نہیں ہے تو وتر کی قضا پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھنا درست نہیں اور اگر یہ یاد رکھتے ہوئے کہ وتر کی قضا پڑھنی ہے اور پہلے فجر کی نماز ادا کرلی تو وتر کی قضا پڑھنے کے بعد فجر کی نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

(3)۔ اگر کوئی مرغ میں اشاروں سے نماز ادا کر سکتا تھا لیکن اس کی کچھ نمازیں قضا ہو گئیں تو اس کو چاہئے کہ اپنے وارثوں کو یہ وصیت کر دے کہ مرنے کے بعد اس کے تہائی مال میں سے ان قضا نمازوں کا فدیہ ادا کر دیں' ایک قضا نماز کا فدیہ سوا سیر گیہوں یا اڑھائی سیر جو ہوتے ہیں اور ان کی قیمت بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

(4)۔ اگر کسی مریض میں کمزوری کی وجہ سے اتنی سکت بھی نہ رہے کہ وہ اشاروں سے نماز پڑھ سکے یا جنوں اور غشی کی ایسی کیفیت طاری ہو جائے کہ چھ نمازوں تک اسے کچھ ہوش ہی نہ ہو تو ایسے مریض پر ان نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے ہاں اگر پانچ نماز کے بعد ہوش آجائے اور چھٹی نماز کے وقت ہوش ہو تو پھر ان ساری نمازوں کی قضا پڑھنا واجب ہوگی۔

(5)۔ جن لوگوں نے اپنی نادانی سے زندگی کا ایک حصہ نماز سے غفلت میں گزار دیا اور بے شمار نمازیں قضا ہو گئیں پھر خدا نے ان کو شعور بخشا تو ان کو سب سے پہلی فکر یہ ہونی

چاہئے کہ وہ اپنی چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا پڑھیں' جس کی نہایت آسان شکل یہ ہے کہ پانچوں وقت کے فرض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ جو سنتیں اور نوافل بالعموم پڑھے جاتے ہیں ان کو سنت اور نفل کی نیت سے پڑھنے کے بجائے چھوڑے ہوئے فرضوں کی قضا کے طور پر پڑھتے رہیں یہاں تک یہ گمان غالب ہو جائے کہ پچھلی سب نمازوں کی قضا ہو چکی۔

یہ بالکل غلط ہے کہ آدمی پانچوں وقت کے ادا فرضوں کے ساتھ نوافل اور سنن کا تو اہتمام کرے لیکن چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا سے غافل رہے یا ان کے معاملے میں سستی سے کام لے' چھوڑے ہوئے فرض کی حیثیت فرض کی ہے' ور یہ بالکل بے معنی بات ہے کہ قرض ادا کرنے سے غفلت برتتے ہوئے آدمی خیرات کرے' ہاں اگر چھوڑے ہوئے فرضوں کی قضا کا پورا پورا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ آدمی پانچوں نمازوں کے اوقات میں سنتیں اور نوافل پڑھے تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالے۔

(6)۔ جمعہ کی نماز کی قضا نہیں ہے لہٰذا جمعہ کی جو نمازیں چھوٹ گئی ہوں ان کے بجائے ظہر کی چار رکعت قضا پڑھنی چاہئے۔

(7)۔ کوئی شخص عید کی نماز میں امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہوا لیکن کسی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو گئی تو اب اس نماز کی قضا نہیں پڑھ سکتا اس لئے کہ نماز عید کی قضا نہیں ہے اور وقت کے اندر تنہا بھی نہیں پڑھ سکتا اس لئے کہ نماز تیرہ تاریخ تک قضا پڑھ سکتے ہیں۔

(8)۔ اگر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کسی عذر کی بنا پر پہلے دن نہیں پڑھی جا سکی تو عید الفطر کی نماز دوسرے دن قضا پڑھ سکتے ہیں اور عید الاضحیٰ کی نماز تیرہ تاریخ تک قضا پڑھ سکتے ہیں۔

صاحب ترتیب اور اس کی قضا نماز کا حکم

بالغ ہونے کے بعد جس بندہ مومن کی کوئی نماز قضا نہ ہوئی ہو یا زندگی میں پہلی ہی بار

ایک یا دو نمازیں قضا ہوئی ہوں، چاہے مسلسل ہوئی ہوں یا مختلف اوقات میں یا پہلے کبھی اگر قضا ہوئی ہوں تو ان سب کی قضا پڑھ چکا ہو اور اب اس کے ذمے صرف یہی ایک دو یا زیادہ سے زیادہ پانچ نمازوں کی قضا ہو تو ایسے شخص کو شریعت کی اصطلاح میں "صاحب ترتیب" کہتے ہیں صاحب ترتیب کے لئے قضا نماز پڑھنے میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

پہلی یہ کہ وہ جب تک چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا نہ پڑھ لے اگلے وقت کی ادا نماز نہیں پڑھ سکتا، مثلاً" کسی کی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء یعنی ایک شب و روز کی پانچ نمازیں قضا ہو گئی ہیں، تو جب تک وہ ان پانچ نمازوں کی قضا نہ پڑھ لے اگلے دن کی نماز فجر ادا پڑھنا اس کے لئے درست نہیں اور اگر جانتے بوجھتے پڑھ لے گا تو ادا نہ ہو گی بلکہ قضا شدہ نمازیں پڑھنے کے بعد فجر کی یہ نماز پھر پڑھنی ہو گی، ہاں اگر صاحب ترتیب کو اپنی قضا نماز پڑھنا یاد نہ رہے اور وہ نماز پڑھ لے تو پھر یاد آنے پر اس نماز کو دہرانا ضروری نہیں، یہ ادا نماز درست ہو جائے گی۔ وتر کی قضا کا بھی وہی حکم ہے جو دوسری نمازوں کا ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ قضا شدہ نمازیں بھی ترتیب کے مطابق پڑھنا ضروری ہیں یعنی پہلے فجر کی نماز پھر ظہر اور عصر اسی طرح پانچوں نمازیں ترتیب سے پڑھنا ہوں گی۔ اور اگر اس نے فجر کی نماز پڑھنے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی تو فجر کی نماز پڑھنے کے بعد ظہر کی قضا پھر پڑھنا ہو گی، اسی طرح اگر ظہر کی قضا پڑھنے سے پہلے عصر اور مغرب کی قضا پڑھ لی تو ظہر کی قضا پڑھنے کے بعد پھر عصر اور مغرب کی قضا پڑھنی ہو گی۔

جس شخص کی پانچ نمازوں سے زیادہ قضا ہو جائیں وہ صاحب ترتیب نہیں رہتا اور قضا نمازوں کے پڑھنے میں اس کے لئے ترتیب کا لحاظ رکھنا واجب نہیں ہے، جب موقع پائے اور جب وقت کی نماز قضا پڑھنی چاہے پڑھ لے اور یہ بھی جائز ہے کہ قضا نمازیں پڑھنے سے پہلے اگلے وقت کی ادا نماز پڑھ لے، ترتیب کی پابندی صرف "صاحب ترتیب" کے لئے ہے۔ (ماخوذ از آسان فقہ)

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل' ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اس قدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں' روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقے سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں' کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اس قدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت و ادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت [illegible]	چراغ راہ	حقیقت وحدت الوجود
مجلد 260 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور 300 صفحات قیمت -/100 روپے	پلاسٹک کور قیمت -/25 روپے

ملنے کا پتہ

- ادارہ اسلامیات 190 انارکلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر S.T'9 بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

براہ راست ہم سے بذریعہ وی پی منگوائیں تو ڈاک خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔

- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ
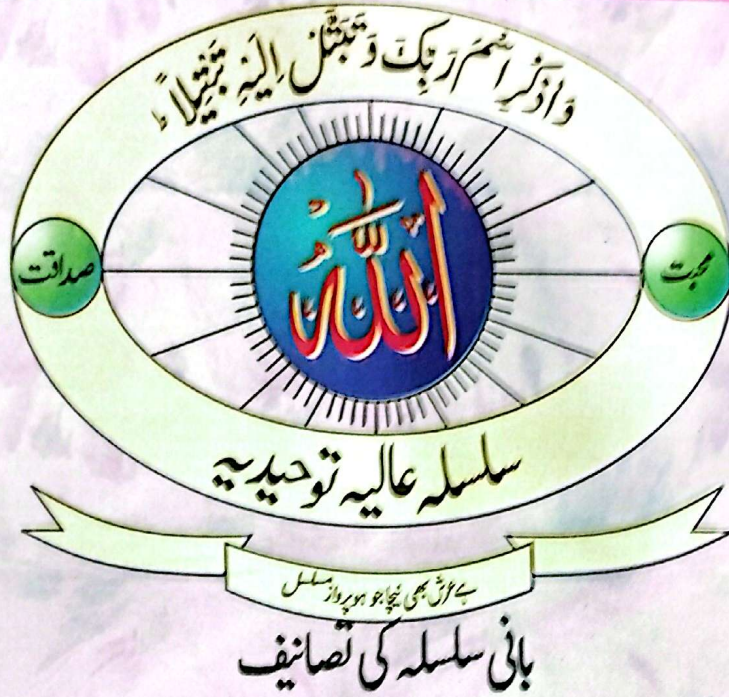
FALAH-E-ADMIAT
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا
اللہ
صداقت
محبت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
بانی سلسلہ کی تصانیف
"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم' نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔
☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔
☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔
☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟
☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔
☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔
☆ عقل صمیم' عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔
☆ یوگا' ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت
☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟
☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟